ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذَّاکِرِیْنَ

تاریخ

مشائخ چشت

از خامہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام مجدہ العالی

جس میں حضرت مصنف زید شرفہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تک اپنے سلسلۂ مشائخ کے صحیح حالات ان کی زندگی کے اہم کارنامے اور گوناگوں اوصاف، ان کے تعلق مع اللہ اور خدا کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کے دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں۔"

ناشر

کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

سلسلہ مطبوعات ادارہ ۳۲

نام کتاب ــــــــ تاریخ مشائخ چشت

تالیف ــــــــ حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب

ترتیب و تکمیل ــــــــ مولوی محمد شاہد سہارنپوری

سنہ تالیف ــــــــ سنہ ۱۳۳۵ھ

سنہ طباعت ــــــــ سنہ ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء

کتابت ــــــــ محمد اسلام کاتلوی

بار اول ــــــــ ڈیڑھ ہزار

قیمت مجلد ــــــــ

(کاپی رائٹ محفوظ)

کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

آغاز سخن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ اوراق جو ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے جتنے بھی قابل قدر ہوں کہ اس میں ایسے مشائخ و اولیاء اللہ کے اسماء و حالات درج ہیں جن کا وجود عالم کیلئے نعمت اور ان کا ذکر عالم کے لئے رحمت ہے وہ واصل و موصل الی اللہ تھے وہ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے سچے مصداق تھے وہ حقیقی مومن تھے کامل مسلمان تھے وہ حقیقت میں اللہ کے بندہ تھے اور وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی غرض پوری کرنے والے تھے لیکن اس لحاظ سے کہ ایک بداعمال ناکارہ و سیہ کارہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اسلئے اس قابل نہیں کہ احباب کی خدمت میں پیش ہو سکیں۔ اسی وجہ سے ایک طویل عرصہ سے یہ اوراق مسودے کی صورت میں پڑے رہے۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ بندہ جب علوم مروجہ سے فارغ شمار ہونے لگا تو اگرچہ میری تعلیم کا بیشتر حصہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس ہوا۔ لیکن علم کی ایک معتدبہ مقدار مدرسہ اور مشائخ مدرسہ

کے ظل عطوفت میں حاصل ہوئی تھی۔ اسلئے مجھ پر طبعی تقاضا تھا کہ اگر
اپنی کم مائیگی سے مدرسہ کی مالی اعانت سے قاصر ہوں تو مدرسہ کے اجمالی
حالات اور تدریجی ترقیات رسالہ کی صورت میں اہل خیر تک پہونچا کر
دال علی الخیر ہی ہوں۔ مگر اس سے قبل چونکہ مستقل تالیف کی نوبت
نہ آئی تھی۔ اسلئے تبرکاً میں نے اپنے تالیفی سلسلہ کی ابتدا مشائخ چشتیہ
سے کی جس کی ہر کڑی باعث خیر و برکت اور مثمر انوار و ثمرات ہے یہ رسالہ
مکمل نہ ہوا تھا کہ وقتی ضرورتوں سے اسکو درمیان میں روک کر مظاہر علوم[1]
اور اسکے مشائخ کی تاریخ لکھنی شروع کر دی اور بالآخر بذل المجہود اور
اسکے بعد اوجز المسالک کی مشغولی نے دونوں کی تکمیل نہ ہونے دی
اور عرصہ گذر جانے پر دونوں کی امنگ نکل چکی تھی۔ لیکن حق تعالےٰ
شانہ کے بے انتہا انعامات کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے اس کی
شان کریمی اور لطف کیلئے نہ کسی اہلیت کی ضرورت نہ کسی قابلیت
پر توقف کہ مجھے اپنے ایک بزرگ کی تعمیل ارشاد میں ایک مختصر سی
چہل حدیث لکھنی پڑی۔ اسکی انتہائی مقبولیت نے میرے دوستوں کو
اسپر برانگیختہ کیا کہ وہ اس مسودہ کو ناقص ہی طبع کر دیں کہ اس کی
تکمیل کے لئے نہ اب فراغت نہ آئندہ توقع۔ اس میں خامی اور کمی
صرف اتنی تھی کہ تالیف کے وقت بہت سی بیاضیں رہ گئیں تھیں۔

[1] حضرت شیخ کی یہ تالیف اب "تاریخ مظاہر" کے نام سے طبع ہو گئی
ہے کتب خانہ اشاعت العلوم سے طلب کیجئے۔ (قیمت مجلد ریگزین .../..)

جس کے لئے بعض کتب تواریخ کی مراجعت کی ضرورت تھی مگر یہ (کمی) ایسی نہ تھی جو موجودہ مسودہ کو بیکار بنا دیتی۔ اسلئے میں نے بھی اسکی طباعت میں کوئی مزاحمت نہیں کی اور اس مختصر تمہید کے بعد سابقہ مسودہ حوالہ کردیا۔ ابتدائی تالیف میں اس کی تمہید طویل ہوگئی تھی جسمیں تالیف کی غرض ضرورت اور اکابر کی تالیفی خدمات کا تذکرہ تھا۔ اختصاراً اسکو حذف کردیا گیا۔

اصل مضمون سے قبل ناظرین کتاب کی خدمت میں ایک ضروری درخواست یہ ہے کہ اول تو تاریخی روایات کلیۃً علمی روایۃ کے برابر بوثوق معتبر نہیں ہوتیں۔ دوسرے احوال مشائخ محبین و اعداء دو مفرطوں کے مخمصہ میں پھنس جاتے ہیں۔ اسلئے حقیقت واقعات میں بسا اوقات مستور ہو جاتی ہے۔ اس بناء پر اگر کسی جگہ کوئی روایت جادۂ شریعت سے علیحدہ (الگ) ملے تو نہ شوق اتباع میں اسپر عمل جائز اور نہ اسکی وجہ سے صاحب واقعہ کے ساتھ بدگمانی جائز۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۹ھ

یہ مذکورہ بالا مضمون آج سے ۴۳ سال قبل ۴۹ھ میں اس کتاب کے طبع ہونے کی امید پر لکھا تھا۔ مگر مقدر کہ یہ کتاب اُس وقت طبع نہ ہوسکی اور اب میرے نواسہ عزیز مولوی شاہد سلمہ اس کو طبع کرا رہے ہیں۔ کہ اس عزیز کو میرے مسودات سے بہت تعلقِ خاطر ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ انتہائی قبول فرمائے، نافع فرمائے۔ اور ان حضرات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی برکات سے بھرپور حصہ نصیب فرمائے۔

محمد زکریا۔ ۵ شعبان ۱۳۹۲ھ جمعہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

امابعد۔ اس رسالہ کا مقصود شجرۂ ذیل کے مشائخ کا تذکرہ ہے اور بڑی غرض صلحاء کے ذکر سے رحمت کا نزول ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے اولیاء کا تذکرہ لکھنا ایک ایسے شخص سے خلاف ادب ہے جو ہر طرح بے بہرہ ہو۔ یہ شجرہ حضرت اقدس جامع الشریعۃ والطریقۃ قطب الارشاد مرشد عالم مولانا گنگوہی نوراللہ مرقدہ کا ہے۔ جو تیسرے شعر سے شروع ہوا ہے اور پہلا شعر جناب الحاج قاری مغیث الدین صاحب ساڈھوروی کا اور دوسرا حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (مصنف تذکرۃ الرشید۔ وتذکرۃ الخلیل) کا اضافہ ہے۔

یاالٰہی کن مناجاتم بفضل خود قبول
از طفیل اولیائے خاندان صابری

بہر مولانا خلیل احمد ملاذی فی غدی
ہم رشید احمد رشید و باصفاء سیدی

بہر امداد و بنور و حضرت عبدالرحیم
عبد باری، عبد ہادی، عضد دیں مکی ولی

ہم محمدی و محب اللہ شاہ بوسعید
ہم نظام الدین جلالی و عبد قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال
شمس دین ترک علاؤالدین فرید جودھنی

قطب دین و ہم معین الدین عثمان شریف
ہم ممودود و ابو یوسف محمد احمدی

بوسحاق و ہم ممشاد و ہبیرہ نامور
ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی

عبدواحد ہم حسن بصری علی فخر دین
سید الکونین فخرالعالمین بشری نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش
بہر ذات خود شفایم دہ زامراض دلی

شجرہ میں توسل مقصود ہے اسلئے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی مناسب تھی ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بعد پھر کسی دوسرے واسطہ کی کیا ضرورت تھی لیکن آئندہ اب حالات کا ذکر ہے اسلئے کئی وجوہ سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک سے ابتدا ضروری ہے۔

سَیّدُ الکونین خاتم النبیّین صَلّی اللہ علیہ وسلّم

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا ذکر خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اسکے لئے بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے۔ آپ کے اخلاق، عادات، عبادات، معاملات، کمالات، معجزات، غرض کونسا باب ایسا ہے کہ جس کا کافی ذکر کیا جا سکے۔ یا اس کا احصا کسی کے امکان میں ہو۔ اسلئے رسالہ کی برکت کی غرض سے اس بحر ذخار کے چند قطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا اسم مبارک محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جسکو آپکے دادا نے تجویز کیا تھا اور احمد نام آپ کی والدہ نے رکھا۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء و القاب کے ساتھ آپ مخاطب کئے گئے ہیں جن کا شمار رسالہ کی وسعت سے باہر ہے، علامہ قسطلانی نے مواہب میں چار سو سے زیادہ بتلائے ہیں۔ اور ابن دحیہ نے بعض صوفیاء سے ایک ہزار تک نقل کئے ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک سلسلہ نسب بخاری شریف[ف] میں مذکور ہے جو مجمع علیہ ہے اور متفق علیہ۔ اگرچہ اسکے بعد کتب تواریخ میں حضرت آدم علےٰ نبینا و علیہ السلام تک آپ کا نسب مذکور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت باتفاق اہل تاریخ و سیر دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔ البتہ تاریخ میں دو قول ہیں۔ ایک قول آٹھ ربیع الاول ۴۲ سنہ کسروی کا ہے اور دوسرا بارہ ربیع الاول کا ہے جو ۲۹ اگست ۵۷۰ء عیسوی کے مطابق ہے۔ آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد نے پچیس ۲۵ سال اور چند ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کے معجزات اور پرورش وغیرہ کے حالات ہر ہر چیز ان میں سے دل کو پکڑنے والی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے مگر افسوس ہے کہ یہ مختصر رسالہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ آپکا نشو و نما عام بچوں کی طرح سے نہیں ہوا۔ بلکہ آپ دوسرے مہینہ اشارہ فرمانے لگے تھے۔ اور چوتھے ماہ پاؤں پر کھڑے ہونے لگے تھے اور اسی

ف صفحہ ۵۴۳

طرح سال کے ختم تک چلنا پھرنا، باتیں کرنا سب شروع ہو گیا تھا۔ تیسرے سال کے ختم پر آپ کی دودھ پلانے والیں حضرت حلیمہ جب آپ کو واپس لائیں تو یہ سمجھ کر کہ میرے گھر کی سب خیر و برکت جس کو تین سال سے تجربہ کر رہی تھیں کہ ہر چیز میں کھلا فرق تھا وہ سب آج ختم ہو رہی ہے۔ کچھ روز اور اپنے پاس رکھنے کی مہلت آپ کی والدہ سے لیکر حضور کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ لیکن وہاں پہونچکر جب شق صدر کا معجزہ پیش آیا تو گھبرا کر اس خوف سے واپس پہنچا گئیں کہ مبادا کوئی خوفناک منظر پیش آجائے۔

آپ کا سینۂ مبارک چار مرتبہ شق کیا گیا اول مرتبہ تو یہی تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت ہوا جب آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی یہ صحرا میں ہوا تھا۔ تیسری مرتبہ بعثت کے وقت ماہ رمضان المبارک یا ماہ ربیع الاول میں غار حرا میں ہوا۔ چوتھی مرتبہ معراج میں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے الم نشرح کی تفسیر میں اس کو نہایت وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے۔ جس کو چسکہ ہوا سے دیکھ لے کہ لطف کی چیز ہے۔ نیز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بارہ منزلیں بھی اس میں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مرتبہ شق صدر کس مصلحت سے ہوا اور کس طرح ہوا۔

۵۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کی تفصیلی بحث لامع الدراری جلد ثانی میں موجود ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض مدعیانِ عقل و فضل کو اس سے اچنبھا ہوا اور انکار کرنے والا دیکھتا ہوں۔ حالانکہ شفاخانوں اور ہسپتالوں میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ انسانی بدن کاٹ کر اور اس کا اندرونی حصہ نکالکر، دھوکر صاف کرکے اپنی جگہ پر رکھدیا جاتا ہے حیرت ہے کہ نصارٰی اور ان کے ملازم تو اس چیز پر قادر ہوں لیکن اللہ کا فرشتہ ایسا نہ کرسکے اور اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ بجلی کی مشین کے ذریعہ سے ایک آدمی میں قوت بھری جاسکتی ہے لیکن ایمان و حکمت کی قوت کا بھرنا ان لوگوں کی عقل سے باہر ہو جائے۔ ہمیں اس جگہ معجزات پر کلام کرنا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات کے مجاہدات اور عادات کی چند مثالیں پیش کرنی ہیں جو منبع ہیں صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے مجاہدات اور کثرتِ عبادات کا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے جن مصائب پر تحمل فرمانا پڑا ان کا احصار بھی دشوار ہے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ نے بھی داغِ مفارقت دیدیا۔ تو آپ کو آپ کے جدِ امجد عبد المطلب نے پرورش کرنا شروع کی لیکن دو سال دو ماہ دس دن بعد جب کہ آپ کی عمر شریف صرف آٹھ سال کی تھی انھوں نے بھی الوداع کہا۔ اولاد والے ان پے درپے صدمات کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ کی ستودہ ذات کو ان سے کہیں بڑھکر صدمات برداشت فرمانے تھے جن کے مقابلہ میں یہ امور

کچھ بھی نہیں تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے رحم دلی، وفاداری، سچائی دیانتداری، نیک چلنی، صفائی معاملات، غربانوازی، قومی ہمدردی، اور انصاف پسندی غرض جملہ اخلاق محمودہ میں شہرۂ آفاق ہو چکے تھے۔ امین کا لقب آپ کو دیا گیا تھا۔ بوڑھے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ مکہ میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ کسی عورت کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھا نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی سے ترش رو ہو کر گفتگو فرمائی۔ ان اوصاف کی وجہ سے ہر شخص آپ کیساتھ الفت و محبت رکھتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آگئے۔ مگر وہ کثیر العیال تھے اور اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی اور سخاوت کے علاوہ سردارانہ حیثیت کے اخراجات اسپر مزید براں تھے۔ اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول چچا کے ساتھ جب کہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شام کا تجارتی سفر کیا۔ مگر اس مرتبہ بحیرا راہب نے راستہ سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ انکو ملک شام نہ لیجانا۔ یہود اگر ان کو دیکھیں گے تو برائی سے پیش آئینگے۔ لیکن دوبارہ جب آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی حضرت خدیجہ کا مال لیکر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لیگئے اور واپسی پر جو منافع آپ کو

ملے تھے وہ آپ نے اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیئے کہ آپ کی سعادت کا مقتضی یہی تھا۔

اسی سال آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور چالیس سال کی عمر تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی۔ جو لوگ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت شادیاں کرنے کی وجہ سے کسی غلط خیال اور باطل عقیدہ میں الجھے ہوئے ہیں ان کو صرف اسی ایک واقعہ سے سبق لینا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ جب آپنے اپنی نوجوانی کا زمانہ ایک بیوہ عورت کے ساتھ گذار لیا اور ایک بوڑھی عورت پر قناعت فرمائی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ کی یہ بکثرت شادیاں ضرور کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تھیں اور وہ مصلحت یہی تھی کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں سے آپ کا تعلق ہو جائے جو ان کے لئے دین اسلام قبول کرنے میں معاون بنے۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ اور چار یا تین صاحبزادے (علی اختلاف الاقوال) حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر، حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بقیہ

سب اولاد کا بھی داغ مفارقت آپ کو اٹھانا پڑا۔ اور یہی نہیں بلکہ لڑکوں کا انتقال چونکہ بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ اسلیئے اولاد کی جدائی کے ساتھ ساتھ جاہل عربوں کے طعنے بھی سننے پڑے کہ وہ آپ کو ابتر یعنی دم بریدہ اور منقطع النسل کہتے تھے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ جوں جوں قریب آرہا تھا آپ کو خلوت اور تنہائی زیادہ پسند ہوتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لیکر مکہ مکرمہ سے تین میل پر کوہ حرا میں تشریف لیجاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں تنہائی ویکسوئی میں قیام فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے۔ جب توشہ ختم ہو جاتا تو تشریف لاکر دوبارہ واپس چلے جاتے اور کئی کئی دن وہاں گذاردیتے رمضان المبارک میں اپنے اہل وعیال کو بھی لیجاتے اور تمام رمضان وہیں گذار دیتے۔ نبوت سے چھ ماہ قبل آپ کو سچے خواب بڑی کثرت سے نظر آنے لگے تھے۔ جو صبح کی طرح روشن ہوتے تھے اور صاف طور سے پورے ہو جاتے تھے۔ بسا اوقات پہاڑ کی آمد ورفت میں آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کی آواز درختوں اور پتھروں سے سنائی دیتی تھی۔ اسی دوران میں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلوت نشینی اور تنہائی کی عبادات وریاضات کی وجہ سے بار وحی کے متحمل ہو گئے تو ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ اقرأ کی شروع کی آیتیں یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الْاِنسَانَ

من علق۔ اقرأ وربك الاكرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ ایک ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی لائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا یا ربیع الاول کا اور کون سی تاریخ تھی۔ صاحب مجمع البحار نے اس میں پانچ قول نقل کئے ہیں۔ فرشتہ نے آپ سے کہا کہ اسکو پڑھیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگاکر اس زور سے بھینچا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اسکے بعد پھر دوبارہ پڑھنے کو کہا۔ آپ نے پھر امی ہونے کا عذر کیا۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگاکر زور سے بھینچا۔ اور چوتھی مرتبہ آپ سے جب پڑھنے کو کہا تو آپ نے بے تکلف ان کو پڑھ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس فعل کی مصلحتیں شراح حدیث نے مختلف لکھی ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف بات تحریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تاثیر اور قوت ملکوتیت آپ میں پہچانی مقصود تھی۔ جسکی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کی تاثیر جو دوسرے میں اثر پیدا کرتی ہے اور جسکو عرف میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔ اول انعکاسی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بہت سا عطر لگاکر مجلس میں آوے کہ اسکے عطر کی خوشبو سب ہم نشینوں کو معطر کر دیگی۔ مگر یہ خوشبو کا اثر اسی وقت تک رہیگا جب تک کہ وہ شخص مجلس میں موجود ہو

اسی لیئے توجہ کی یہ قسم سب سے ضعیف ہوتی ہے۔ دوسری توجہ القائی کہلاتی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص چراغ کو درست کرے اور اسمیں مناسب تیل اور روئی کا انتظام کر کے اسے روشن کر دے۔ یہ قسم پہلی قسم سے بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں صاحب توجہ کی غیبت میں بھی اثر رہتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے مانع مثلاً ہوا کی تیزی سے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری قسم اصلاحی کہلاتی ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جگہ بہت سا پانی جمع کر لیا جائے اور کسی حوض تک اسکا بڑا سا راستہ بنا دیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی معمولی سا مانع خس وخاشاک کی صورت سے راستہ میں آجائیگا تو پانی کا بہاؤ اسکو ہٹا دیگا۔ لیکن اگر راستہ ہی بند ہو جائے تو پانی کی آمد و رفت بند ہو جائے گی۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہت زیادہ قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور لطائف کی ستھرائی اس میں بہت زائد ہے۔ چوتھی قسم اتحادی ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی روح کو مرید کی روح کے ساتھ اس درجہ پیوستہ کر دے کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت پہلی سب صورتوں سے زیادہ قوی ہے کہ شیخ کی روح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ صوفیا کے یہاں یہ توجہ بہت اہم سمجھی جاتی ہے مگر بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس نسبت اتحادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کا قصہ مشہور ہے جسکو حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ

آپ کے یہاں کئی مہمان آگئے اور گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ آپ اس فکر میں باہر تشریف لائے قریب ہی میں ایک نان بائی کی دُکان تھی اسکو جب مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ نہایت پر تکلف کھانا خوان میں رکھ کر حاضر ہوا۔ حضرت کی زبان سے غایت مسرت میں نکلا کہ، مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا اپنے جیسا کر دیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو اسکا تحمل نہیں کر سکتا مگر اس نے بار بار لجاجت سے درخواست کی۔ جب حضرت باوجود اپنے چند مرتبہ کے انکار کے مجبور ہو گئے تو اسکو اپنے ہمراہ لیکر حجرہ میں گئے اور وہاں توجہ اتحادی فرمائی جب حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک سی معلوم ہو رہی تھی بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ صاحب ہوشیار اور ہوش میں تھے اور وہ بیہوش تھا۔ اور اسی عالم بے ہوشی میں تیسرے دن انتقال کر گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

یہ ہی توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تھی مگر چونکہ اسکے تحمل کی استعداد نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی اس لئے اس کے تحمل میں آپ کو کوئی اشکال نہ ہوا۔ مگر بار بار کے کھینچنے اور دبوچنے سے اس درجہ آپ کو تکلیف ہوئی کہ بخار آگیا اور دولتکدہ پر واپس تشریف لا کر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے جلدی سے کچھ اڑھاؤ کچھ افاقہ ہونے پر آپ نے حضرت خدیجہ کو یہ سب قصہ سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ پہلے سے اپنے بھائی

ورقہ بن نوفل کی زبانی اور اس جیسے اور واقعات سن کر اس وقت کی منتظر تھیں اس لیئے آپ کو تسلی دینے کے طور پر عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھاتے ہیں، بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ حق کے آپ ہمیشہ حامی رہے ہیں۔ آپ کی نیک عادت پاکیزہ خصلت اور محمود طبیعت سے ہر شخص واقف ہے۔ آپکی مہمانداری غربانوازی، برادر پروری ضرور اچھا اور بہتر نتیجہ دکھلائے گی۔ لہٰذا آپ ذرا بھی خوف نہ فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل کے پاس جا کر پورا قصہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل یہودیت و نصرانیت کے ماہر تھے اسلیئے تمام قصہ سنکر قدوس قدوس پکار اٹھے اور فرمایا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔ پھر آپ کی زبانی تمام قصہ سنا اور آپ کے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں تم کو نبوت کا خلعت مل گیا۔ تم وہی نبی ہو جن کے متعلق آسمانی کتابیں بشارتوں سے پُر ہیں۔ کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا اور اس وقت آپ کی مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی آپ نے تعجب سے پوچھا کیا یہ لوگ مجھکو نکالدیں گے ؟ ورقہ نے جواب میں کہا ہاں۔ جو بھی نبی آیا اور اس نے توحید و رسالت کی دعوت دی اس کے ساتھ ابتدا میں عداوت اور دشمنی کا برتاؤ کیا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اول مخفی طور پر لوگوں کو توحید کی تعلیم فرماتے رہے۔ لیکن جب آپنے دین کی تبلیغ میں یوماً فیوماً زیادتی

فرمائی اور اہتمام شروع کیا اسی وقت سے کفار مکہ کی عداوت شروع ہوگئی۔ آپ کے لائے ہوئے پاکیزہ دین کی تعلیم سے گو مسلمانوں میں اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن جوں جوں مسلمانوں میں اضافہ ہوتا تھا بدباطن کافروں میں حسد کی آگ بہت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ ابوطالب حضرت کی حمایت بھی فرماتے تھے لیکن کفار کا از خود رفتہ جوش عداوت تکالیف پہنچانے سے باز نہیں رہتا تھا مسلمانوں کی جماعت اول نہایت قلیل تھی اس وجہ سے وہ عبادت الٰہی مخفی طور پر کرتے تھے لیکن اسپر بھی جب ان کو عبادت کرتے ہوئے کوئی کافر اور مشرک دیکھ لیتا تو تمسخر کرتا، تکلیف پہنچاتا اور مار پیٹ سے بھی باز نہ رہتا۔ بنو امیہ کا سردار ابوسفیان مسلمانوں کا سخت دشمن ہوگیا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو اسکو عرب کے گرم ریت پر لٹا دیا جائے اور کہدیا جائے کہ یا تو بتوں کی پرستش کرو ورنہ ملک عدم کی راہ لو۔

تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقا اسی طرح خاموشی سے اسلام کی تبلیغ اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ تین سال بعد قرآن پاک کی آیتہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی۔ اس آیت شریفہ میں آپ کو اپنے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آپ کو اپنی قوم کی سرکشی کی وجہ سے ہرچند تشویش تھی مگر حکم الٰہی کی تعمیل بھی ضروری تھی اسلئے آپ نے دعوت کا اہتمام فرمایا اور اپنے سب اعزہ کو اس میں مدعو

کیا اول مرتبہ کوئی حرف زبان پر لانے کی نوبت بھی نہ آئی کیونکہ تھوڑی سی مقدار کھانے کی چالیس آدمیوں کو کافی ہو جانا خود اس بات کیلئے بہت کافی تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی کھوج لگائے۔ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے تعلق پیدا کرتے مگر ابولہب یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ لیگیا کہ کھانے میں تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جادو کردیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ پھر دعوت فرمائی اور سرداران قریش کو مدعو کیا اور کھانے کے بعد آپنے نہایت پیارے الفاظ میں نصیحت فرمائی اور توحید کی ترغیب، شرک سے نفرت دلائی مگر کم بخت ابولہب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ابوطالب تمھارا یہ بھتیجا جو تم کو اولاد سے زیادہ پیارا ہے تمھیں یہ کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بن جاؤ یہ کہہ کر سب نے مذاق اڑایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے چلے گئے حتیٰ کہ آیت کریمہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل ہوئی۔ اس آیت میں آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور کفار کے سب قبائل کو نام بنام پکارا۔ عرب کے دستور کے موافق سب جمع ہو گئے تو آپ نے اول ان سے دریافت کیا کہ اگر میں اس بات کی خبر دوں کہ عنقریب تم پر کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے اور اس پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا ہے تو تم لوگ میری تصدیق کروگے سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ ہم نے تمھیں جھوٹ بولتے کبھی نہیں دیکھا اسلئے ضرور سچا سمجھیں گے۔ تو آپ نے پھر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

مگر وہ کفار جو ابھی ابھی آپ کی صداقت کا اقرار کر چکے تھے یہ سنکر ہنس پڑے
ابولہب نے غصہ میں آکر کہا تبالك سائر الیوم الهذا جمعتنا۔
یعنی تیرے لئے ہلاکت ہو۔ کیا اسی لئے ہم کو جمع کیا تھا (العیاذ باللہ)
مجمع وہاں سے منتشر تو ہو گیا مگر جگہ جگہ آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف
دہی کے منصوبے شروع ہو گئے جس سے جو بن پڑا وہ اس نے کیا۔
ابولہب کی بیوی جو ابوسفیان کی بہن تھی وہ جنگل سے کانٹے لاکر آپکے
راستہ میں بچھاتی تاکہ رات کی آمدورفت میں آپ کو تکلیف پہنچے۔
آپ کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہو چکے
تھے ان کو ہر طرح سے تکلیف دی جاتی اور بالآخر لڑکوں سے کہہ کر
ان کو طلاق دلوادی تاکہ آپ کو اور بھی تکلیف پہنچے۔ ابوطالب ہر چند
کہ آپ کی حمایت کرتے تھے مگر اول تو وہ تنہا دوسرے وہ خود اس نئے
مذہب سے علیحدہ تھے۔ ایک مرتبہ کفار کا بہت سا مجمع اکٹھا ہو کر ابوطالب
کے پاس گیا کہ آپ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روکدیں
ورنہ ہمارے حوالہ کر دو کہ خود ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ ابو طالب سخت
متحیر تھے نہ آپ کو چھوڑ سکتے تھے کہ باپ کی آخری وصیت اور آپکے
اخلاق و کمالات اس میں مانع تھے نہ کفار کے بار بار آنیوالے وفود
سے انکار کر سکتے تھے۔ بالآخر ایک مرتبہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو بلاکر بڑی الحاجت اور طویل گفتگو کر کے آپ سے درخواست
کی کہ آپ اپنے مقصد سے ہٹ جائیں اور دعوتِ دین کے کام کو

چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے نہایت ہی استقلال سے فرمایا کہ میرے چچا اگر کفار مکہ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند رکھدیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ جلشانہ دینی مقصد کو پورا فرمادیں یا میں شہید ہو جاؤں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرمالیا تھا کہ اب چچا جان بھی حفاظت سے عاجز ہو گئے مگر اسکے باوجود آپ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کفار مکہ جوں جوں اپنی کوششوں میں ناکام ہوتے تھے اتنے ہی انکا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ جس اذیت اور تکلیف کے دینے پر قادر ہوتے اس میں کسر نہ چھوڑتے تھے۔ بالخصوص نماز کی حالت میں آپکو خاص طور سے ستاتے تھے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں چند لوگوں نے ملکر آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کا پیٹ (اوجھڑی) رکھدیا جسکے بوجھ کی وجہ سے آپ کو سجدہ سے اٹھنا مشکل ہو گیا اور جب آپ سر نہ اٹھا سکے تو خوب قہقہہ لگایا۔ آپ پر راستہ میں پتھر مارے جاتے تھے، نجاست اور گندگی ڈالی جاتی تھی اور اسی پر بس نہ تھا بلکہ قتل کر دینے کی تدابیر بھی ہر وقت کی جاتیں۔

جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ تھا تو آپ کے رفقا (مسلمان صحابہ) کا تو ذکر ہی کیا۔ جب کہ ان حضرات کو تکلیف دینے میں کوئی مانع بھی نہ تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روزانہ دوپہر کے وقت ریت پر لٹا کر ببول کے درخت کے کانٹے چبھوئے جاتے

اور سینہ پر ایک سخت پتھر رکھدیا جاتا کہ آپ تڑپ بھی نہ سکیں، چاروں طرف آگ جلادی جاتی تاکہ اسی حالت میں مرجاویں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا چھوڑدیں۔ لیکن جب یہ تمام صورتیں بیکار ہوگئیں تو رات کو زنجیر میں باندھکر چند لوگ باری باری کوڑے مارتے تھے تاکہ اگلے روز یہ زخم دھوپ میں گرم ہوکر تکلیف پہنچائیں اور سوزش پیدا کریں مگر اس اللہ کے مخلص بندے کی زبان سے احد، احد کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا، حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر کیساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا کہ روز آنہ ان کو دھوپ میں لٹاکر گرم ریت کے ذریعہ ان کو تکلیف دیجاتی آخر حضرت یاسر اسکا تحمل نہ کرسکے اور چند روز میں انتقال کرگئے۔ حضرت عمار کی والدہ کے ابوجہل نے شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہوگئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احوال کو دیکھتے تھے مگر خود آپ کی یا اور کسی کی بھی مجال نہ تھی کہ کسی کی اعانت کرسکے۔

میں ان چند اوراق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جفاکشی اور دین حنیفی کے پھیلانے میں جو تکالیف آئیں ان کا مختصر تذکرہ بھی نہیں کرسکتا پھر بھلا صحابہ کے احوال و واقعات ذکر کرنے کی گنجائش کہاں سے لاسکتا ہوں۔ اول تو قلم ان واقعات کے لکھنے سے کانپتا ہے دوسرے ہر ہر جملہ پہ مضمون اور کتاب کے طویل ہوجانے کا خوف ہے کہ ہمارے اولوالعزم مسلمانوں کو طویل تحریر کے پڑھنے

یا دیکھنے کی مہلت بھی نہیں۔ اور اگر صفحات کے زیادہ ہوجانیکی وجہ سے کچھ قیمت میں اضافہ ہوگیا تو یہ ساری ہی کتاب نظروں سے اوجھل ہو جائیگی۔ کیونکہ دینی کام کے لئے پیسہ خرچ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ہاں سینما کے ٹکٹ جتنے چاہیں خرید سکتے ہیں۔

بہرحال جب صحابہ کرام پر حد سے زائد تکالیف کی بارش ہونے لگی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانیکی اجازت مرحمت فرمادی بہت سے لوگوں نے حبشہ میں جاکر اقامت فرمائی اور شاہ حبشہ جسکا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا کے پاس جاکر سکون و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی جو نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی۔ اس جماعت میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں تھیں اس کے بعد صحابہ کرام کی ایک اور جماعت حبشہ گئی جس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں شامل تھیں یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ کفار مکہ اپنی حماقت سے اس کوشش میں بھی لگے رہے کہ وہاں سے بھی یہ مظلوم نکالدیئے جائیں۔ مگر وہ ساری تدابیر بیکار رہیں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور ہر نوع کی تکالیف برداشت فرماتے رہے چھ سال کامل یہ ہی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے گذر گئے۔ یکم محرم سنہ نبوی میں کفار مکہ نے ایک نئی تجویز ایذا رسانی کی نکالی کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کنبہ کو برادری سے الگ کر کے شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا۔ عام لوگوں کا کھانا پینا بھی ان حضرات کے ساتھ بند تھا اس گھاٹی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی کسی دُکاندار سے کسی چیز کے خریدنے کی اجازت تھی۔ نہ وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان لیجانے کی اجازت۔ خود ان حضرات کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ کچھ دن بعد جب ختم ہو گیا تو اس کے بعد فاقے پر فاقے شروع ہوئے بچے اور عورتیں بھوک کی شدت سے بیتاب ہو گئے۔ کفار کا یہ معاہدہ زبانی معاہدہ نہ تھا اور ایک دو آدمیوں کی قرارداد نہ تھی بلکہ تمام سرداران مکہ کے اسپر دستخط کرائے گئے تھے۔ اس معاہدہ کا لکھنے والا منصور ابن عکرمہ عبدری تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ سزا ملی کہ اسکے ہاتھ شل ہو گئے۔ لیکن جب بدبختی غالب ہوتی ہے تو کوئی بات بھی دل پر اثر نہیں کرتی۔ جب تین سال کامل اسی مجاہدہ کو ہو گئے اور اس امتحان میں مسلمان کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے چند لوگوں کے دل میں اس معاہدہ کی مخالفت پیدا فرما دی اور خود کفار و مشرکین میں سے چند لوگ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ترس آگیا۔ ابھی یہ بات چل ہی رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی کہ وہ کاغذ جس پر معاہدہ لکھا ہوا ہے اس کو دیمک کھا گئی اور صرف وہ جگہ صحیح و سالم باقی رہ گئی۔ جسپر اللہ پاک کا نام ہے۔ ابو طالب نے اس موقعہ پر قریش کے

سرداروں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ وہ کاغذ دیمک کھا گئی اب فیصلہ اسی پر ہے اگر واقعی وہ معاہدہ دیمک کی نذر ہو گیا تو اب تم اپنی حرکت سے باز آجاؤ۔ معاہدہ کو دیکھا تو وہ واقعی ایسا ہی ہو چکا تھا جن لوگوں کو پہلے سے مخالفت کا خیال پیدا ہو چکا تھا انکو تقویت ہوئی اور تین برس بعد یہ سب حضرات اس ابتلا سے نکلے۔
مگر اس کے قریب ہی آپ پر یکے بعد دیگرے دو سخت صدمے پیش آئے ایک آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال تھا جن کا وجود کفار مکہ کی بہت سی ایذیتوں کو روکنے والا تھا۔ دوسرا صدمہ آپ کی جانثار مونس بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا یہ سال مسلمانوں میں عام الحزن (غم کا سال) سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس ظاہری اعانت اور رفاقت کا سہارا بھی جاتا رہا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود تمام تکالیف اور اذیتوں کے اور باوجود صدمات اور رنج وغم کے اپنے اللہ کے ساتھ کے لگاؤ اور اس کے دین کی اشاعت اور تبلیغ سے کوئی چیز بھی ہٹانے والی نہ تھی۔ کفار مکہ ہر وقت آپ کو مجنون، دیوانہ کاہن، جادوگر، شاعر وغیرہ وغیرہ القاب سے پکارتے طعنے دیتے۔
مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ان کی فلاح و بہبود اور مسلمان ہو جانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ کوئی مصالحت کی گفتگو ہوتی تب بھی آپ کا جواب یہ تھا کہ مصالحت صرف ایک صورت سے ہو سکتی ہے وہ یہ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور اللہ پاک کی عبادت کرنے لگو۔ مگر ان لوگوں

کی طرف سے اسپر قہقہے لگتے۔ مذاق اڑایا جاتا، خاص شہر مکہ سے جب آپ کو مایوسی ہوئی تو آپنے مکہ کے اطراف میں تبلیغ شروع فرمائی۔ اور ہر ہر قبیلہ سے جاکر اللہ کے دین میں داخل ہونے اور اللہ کے پاک رسول کی مدد کرنے کی درخواست کی مگران لوگوں نے بجائے اعانت ومدد کے صاف انکار کردیا اور مذاق اڑایا۔

طائف میں جب آپ نے اللہ کے پاک دین کو پھیلانے کا ارادہ فرمایا تو وہاں کے سرداروں نے نہ صرف آپ کا مذاق اڑایا بلکہ بچوں اور شہر کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگادیا کہ آپ کو اینٹیں ماریں اور پتھر برسائیں۔ اس پتھراؤ کے بعد آپ کے دونوں جوتے خون کے بہنے کیوجہ سے سرخ ہوگئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے اور ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر یہ دعا مانگی۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین۔ انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک اویحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولاحول ولاقوۃ الا بک۔

(کذا فی سیرت ھشام۔ قلت واختلفت الروایات فی الفاظ

الدعا کمافی قرۃ العیون)۔

ترجمہ۔ اے اللہ تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا۔

اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔ اللہ جل شانہ کے یہاں سے ہر مجاہدہ پر اسکے موافق انعام ملتا ہے اور اللہ کے راستہ میں جس قدر قربانیاں دی جائیں اسکے موافق ثمرہ عطا ہوتا ہے۔ یہ قصہ خود اپنے اندر بہت بڑی قربانی اور مجاہدہ کو لئے ہوئے ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان مجاہدات کا ثمرہ وہ تقرب الٰہی ہے جو معراج کے نام سے مشہور ہے کہ یہ تقرب اولین و آخرین میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ اسی معراج میں مسلمانوں کو ایک انتہائی عظیم الشان

تحفہ یہ دیا گیا کہ ان پر پانچ وقت کی نماز فرض کر دیگئی جو حق تعالیٰ سے مناجات کا ذریعہ بھی ہے اور سب سے اہم عبادت بھی ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو احکم الحاکمین کی بارگاہ کے تقرب سے منہ موڑ کر چند کوڑیوں کے مالک اور چند لمحوں کے حاکموں کا درباری تقرب ڈھونڈنے کے لئے اپنا جان و مال حتیٰ کہ اپنا دین بھی قربان کر دیتے ہیں

معراج کا قصہ مسلمانوں کیلئے جتنا بھی قابل افتخار ہو مگر کفار کے لئے اور بھی استہزار اور مذاق اڑانے کا سبب بن گیا۔ اور طعن و تشنیع سب و شتم کا ایک اور بہانہ ان کے ہاتھ میں آگیا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے باہر کے آنے والوں کو تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سنہ نبوی سے مدینہ طیبہ میں اسلام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ مدینہ والے جو اپنی ضرورتوں یا حج کی ادائیگی کیوجہ سے مکہ مکرمہ آتے تھے وہ یہاں سے مسلمان ہو کر جاتے اور پھر مہاجرین بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی تھی اور یہ حضرات چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل مدینہ تشریف لے آئیں اور ہمیں مشرف فرمائیں مگر آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ آپ حکم الٰہی کے انتظار میں مکہ ہی میں قیام فرما رہے اور رات دن عبادت الٰہی میں لگے رہے ادھر کفار مکہ بھی اپنی انتقامی کاروائیوں سے نہیں رکتے تھے جب

آپ نماز پڑھتے تو سجدہ کی حالت میں آپ کو ستایا جاتا۔ آپ پر راستہ میں مٹی اور ڈھیلے پھینکے جاتے مگر آپ نہایت صبر و تحمل سے ان سب چیزوں کو برداشت فرماتے رہتے۔ ایک روز کفار مکہ نے ایک جلسہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالو اور یہ قتل ایک شخص نہ کرے بلکہ پانچ قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی لیکر ان کے ذریعہ سے یہ قتل ہو تاکہ بنو ہاشم اگر انتقام اور بدلہ لینا چاہیں تو ان کے لئے مشکل ہو اور وہ مجبوراً دیت پر راضی ہو جائیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی ہوئی اور ساتھ ہی ہجرت کر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹایا اور ان کو وہ تمام امانتیں حوالہ کر آئے جو مکہ کے لوگوں نے اپنی دشمنی کے باوجود آپ کے پاس رکھوا رکھی تھیں۔ یہ انتظام فرما کر رات کیوقت آپ گھر سے باہر نکلے چاروں طرف کافروں کا پہرہ تھا جو شام ہی سے آپ کے گھر پر آگئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں مٹی لیکر ان ذلیلوں پر پھینکی جس کی گرد نے ان کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا۔ اسکے بعد آپ حضرت ابو بکر کے پاس تشریف لائے اور ان کو اپنے ہمراہ لیکر غار ثور میں جا کر چھپ گئے اور تین شب وہیں مقیم رہے۔ ادھر صبح کو جب کفاروں کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو طیش میں آگئے اور چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار

کرلائیگا بہت بڑا انعام پائیگا مگر چونکہ آپ خدا کی حفاظت اور نگہداشت
میں تھے اس لیئے بخیر و عافیت رہے اور کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکا
غارِ ثور میں تین شب قیام فرماتے کے بعد آپ مدینہ طیبہ کیلئے روانہ
ہوئے، راستہ میں چار روز قبا میں قیام فرمایا۔ قبا مدینہ منورہ کے
نزدیک ہی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ جمعہ کے دن بارہ ربیع الاول مطابق
۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو آپنے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا۔

یہاں تک ہجرت اور مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات
مثالاً ذکر کر دیئے کہ ان سب کا احصار اپنی کم مایئگی کی بدولت نہ مجھ
سے ممکن نہ دیکھنے والوں کو اتنی فرصت۔ مدینہ منورہ کے قیام میں
جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظامی امور کی بھی دیکھ بھال کرنی
ہوتی تھی۔ علوم و مسائل کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی۔ فقہ و حدیث
بھی بہایا جاتا تھا۔ جسکے حصول میں لوگوں نے اپنی عمریں خرچ کر دیں
اور پھر بھی تمام احادیث کے ذخیرہ کا اور تمام فقہ کا احاطہ نہ کر سکے۔
جہاد بھی ہوتا تھا اور دنیا بھر کے سلاطین کے پاس وفود بھی بھیجے جاتے
تھے۔ یہود مدینہ اور منافقین کی مخالفتیں بھی ہر وقت رہتی تھیں۔
اور وہ ہر کام میں روڑا اٹکانے میں لگے رہتے تھے۔ آپس کے جھگڑے
اور قصے بھی نمٹائے جاتے تھے۔ گھروں کی ضروریات بھی پوری فرمائی
جاتی تھیں تو ان سب مشاغل کے باوجود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو
یادِ الٰہی کا وقت اور خلوت کیلئے جنگل میں جانے کی فرصت ملجاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں تشریف لیجایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! آپ ان وادیوں کی طرف تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحرا میں جانیکا ارادہ فرمایا تو ایک سرکش اونٹنی میرے پاس بھیجی اور کہلوایا کہ اسکو سواری کے واسطے تیار کرلو اور اسکے ساتھ نرمی کرنا زیادہ سختی سے نہ پیش آنا اسلئے کہ نرمی ہر چیز میں زینت پیدا کردیتی ہے۔

اب میں مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات سنہ وار پیش کرتا ہوں

سنہ ۱ھ۔ اس سال اسلام میں اذان کی ابتدا ہوئی۔ مسلمان جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو ان کو نمازوں کی ادائیگی میں اوقات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی۔ صحابہ محض اندازہ سے مسجد میں جمع ہوجاتے تھے اور نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دقت اور تکلیف روزمرہ کی تھی۔ اسلئے صحابہ نے دربارِ نبوی سے اس کا مستقل حل چاہا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تکلیف کو محسوس فرماتے تھے۔ آخر کار تمام صحابہ نے ایک روز جمع ہوکر مشورہ کیا۔ اور نماز کے اوقات کی اطلاع بسہولت ملنے کیلئے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ ایک رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند جگہ پر کھڑا کردیا جائے اس کو دیکھ کر نماز کے لئے سب جمع ہوجایا کریں۔ اس کے علاوہ ناقوس، بگل اور سنکھ بجانے کی بھی رائے ہوئی۔ مگر یہ سب

طریقے چونکہ دوسرے مذاہب میں رائج تھے۔ اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو پسند نہ کیا اور فرمایا کہ ناقوس نصاریٰ کے یہاں رائج ہے۔ بگل یہود کے یہاں بجتا ہے اور ہم کفار کی مشابہت اختیار نہیں کرتے۔ الغرض بات ادھوری رہ گئی اور کوئی نتیجہ اس گفتگو سے نہ نکل سکا۔ اسی شب میں حضرت عبداللہ بن زید کو کسی غیبی فرشتہ نے اذان کے کلمات تعلیم فرمائے۔ وہ یہ خواب دیکھ کر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا کہ کسی نے مجھے یہ کلمات (جواب اذان میں دہرائے جاتے ہیں) تلقین کئے ہیں آپ نے انھیں سن کر حضرت بلال کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ کلمات کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر دہراؤ۔ یہ کلمات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنے تو انتہائی خوشی کے باعث اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ یہی الفاظ بیس دن قبل میں نے بھی کسی کہنے والے سے سنے تھے مگر شرم کیوجہ سے عرض نہ کر سکا۔

اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کے خواب میں کلمات اذان سننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت بلال کو ترجیح دی تو یہ ان کی ان مشقتوں اور تکلیفوں کا بدلہ تھا جو انھوں نے ابتدار اسلام میں کفار مکہ کے ہاتھوں برداشت کی تھیں کہ مشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور

اسوقت بھی احد احد (یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حدیث پاک میں اس ترجیح کی وجہ حضرت بلال کا بلند آواز ہونا بتلایا گیا ہے مگر وہ میرے اس قول کے منافی نہیں۔

اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشورہ کا روزہ ابتداءً فرض ہوا مگر جب رمضان کے روزے امت مسلمہ کے حق میں فرض ہو گئے تو یہ یوم عاشورہ کا روزہ صرف مستحب رہ گیا۔

اسی سال حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن سلام، سلسلۂ اسلام میں داخل ہوئے جنکی قربانی اور جانفروشی کے واقعات مشہور ہیں۔

اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ اور اپنی صاحب زادیوں کو مکہ سے مدینہ بلوالیا۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ اسی سال قائم ہوا۔ نیز اسی سال شوال کے مہینہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی۔

۲ھ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اسی سال ہوا۔ جہیز میں جو سامان حضرت فاطمہ کو ملا وہ یہ تھا۔ ایک پلنگ، دو چادریں، ایک تکیہ، دو بازو بند چاندی کے ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے۔ ارکان اسلام میں سے دو اہم رکن، روزے اور زکوٰۃ نیز عیدین کی نماز، صدقۂ فطر کے احکامات یہ سب اسی سال نازل ہوئے۔

مسلمان اب تک نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھتے تھے۔

اسسال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کے لئے دائمی قبلہ بیت اللہ قرار دیا گیا۔ عید الاضحیٰ کی نماز سب سے اول اس سال حضور کی امامت کے ساتھ عید گاہ میں ہوئی۔

مشہور لڑائی غزوۂ بدر جس میں مسلمان تین سو تیرہ (۳۱۳) اور کفار نو سو پچاس (۹۵۰) تھے وہ بھی اسی سال ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں۔ ان کی خیر و خبر اور دیکھ بھال کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان اور حضرت اسامہ بن زید کو حکماً مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جسدن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینے پہنچے اس سے ایک دن پہلے حضرت رقیہ انتقال کر چکی تھیں۔ حضرت عثمان چونکہ حضور کے حکم سے روک دیئے گئے تھے اسلئے مال غنیمت میں برابر کے حصہ دار بنائے گئے۔ اس غزوہ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر تضرع وزاری اور خدا کی بے پرواہ ذات کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس دعا سے ہو سکتا ہے جو آپ نے میدان جنگ میں فرمائی اور ہاتھ دعا کیلئے اتنے اونچے اٹھے کہ کندھے پر سے چادر گر گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی اور فرما رہے تھے۔ اے خدا اپنے وعدہ کو آج پورا فرما۔ آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا نہ رہیگا۔ تجھ کو ایک سمجھنے والے

یہی چند لوگ ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں ان کی مدد آپ ہی کے ذمہ ہے اور اسلام کی عزت تیرے ہاتھ میں ہے ۔ لڑائی شروع ہوئی ۔ اور بڑی گھمسان کی ہوئی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا شاہت الوجوہ یعنی یہ منہ ذلیل ہو جائیں ۔ خدا کی قدرت کہ اس مٹی کا اثر سارے کافروں پر ہوا ۔ کسی کافر کی آنکھ ایسی نہ رہی جس میں یہ مٹی نہ گری ہو ۔ اس کے علاوہ اس لڑائی میں کھلی آنکھوں خدا کی مدد اور فرشتوں کی اعانت ہوئی ۔

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس لڑائی میں ایک کافر کا پیچھا کر رہا تھا ۔ یکایک بہت زور سے کوڑا مارنے کی آواز سنائی دی اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا ,, اے حیزوم ہاں آگے بڑھ ،، کہنے والا تو نظر نہ آیا مگر جس کافر کا میں پیچھا کر رہا تھا اسکو اپنے آگے مرا ہوا پایا اس کی ناک پھٹ چکی تھی اور کوڑے کی چوٹ سے نیلی پڑ گئی تھی ۔ ایسے ہی حضرت ابن عباس کو جس صحابی نے گرفتار کیا وہ بہت کمزور اور لاغر آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے عباس جیسے پہلوان اور مضبوط آدمی کو کیسے گرفتار کر لیا تو فرمایا کہ اس وقت میری ایک ایسے آدمی نے مدد کی جس کو نہ اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا اور نہ اسکے بعد پھر کبھی دیکھا ۔ اتنی بڑی معرکۃ الآراء لڑائی ہوئی لیکن خدا کی مدد شامل حال تھی ۔ اسلئے پانچ مہاجر اور آٹھ انصار مسلمان شہید ہوئے جن کو انھی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا ۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کافروں کی

لاشیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کنوئیں میں ڈالدی گئیں۔
چوتھے دن آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اب تو تم تمنا کرتے ہوگے کہ ہائے کاش اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرلیتے۔ اللہ کا ہم سے جو کچھ وعدہ تھا اس کو ہم نے ٹھیک پالیا۔ تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟ - اس کے بعد آپ بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۳ھ۔ اس سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ یہی وہ سب سے پہلے صحابی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں سب سے پہلے انھی کا انتقال ہوا۔

اسی سال ماہ رمضان میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے
غزوۂ احد اسی سال ہوا جس میں مسلمانوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) اور کافروں کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلکر جبل احد کے لئے روانہ ہوئے۔
لڑائی کے مقام پر پہونچکر آپنے صف بندی فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبیر امیر مقرر کئے گئے تھے۔ فوج کے پیچھے پہاڑی درہ کے قریب بٹھادیئے گئے تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرسکے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ہدایت فرمادی کہ خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام مگر تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ لڑائی پوری شدت کے ساتھ ہوئی

میدان صحابہ کے ہاتھ رہا۔ شکست کھانیکے بعد جب کفار ہر چہار جانب منتشر ہوگئے اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا تو مال غنیمت پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کیا۔ وہ تیر انداز دستہ یہ سوچکر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہاڑی درہ میں قیام کا صرف لڑائی تک تھا جو اب ختم ہوچکی ہے۔ نیچے اتر آئے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے بھی ان کا کہنا نہ مانا۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا کہ خالد بن ولید جو اسوقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے فوج کو اپنے ساتھ لیکر اسی درہ میں کو داخل ہوگئے اور مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس حملہ کی مسلمان تاب نہ لا سکے ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ کافروں کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ کے مارا جسکی بنا پر آپ کا نیچے کا دانت اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہوا جسمیں سے خون بہنے لگا۔ ابن قمیہ نے تلوار سے ایسا حملہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تاب نہ لا سکے۔ بدن مبارک پر چونکہ دو زرہ کا بوجھ بھی تھا اس لئے آپ ایک غار میں گر گئے باہر نکلنا دشوار ہوگیا۔ زخمی ہوجانے کی وجہ سے چہرۂ مبارک خون آلودہ ہوگیا۔ چونکہ خون برابر بہہ رہا تھا۔ اسلئے آپ کمزور اور نڈھال ہوگئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور آپکے چہرہ سے خون دھو رہے تھے۔ لیکن جب وہ کسی طرح خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نے بوریہ کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا تاکہ خون رک جائے۔ کفار کے اس حملہ کیوجہ سے مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت طلحہ تو اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ لیکن بقیہ صحابہ دو طرفہ حملہ کی تاب نہ لاکر ادھر ادھر بھاگ نکلے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت حمزہ نے مسلمانوں کو للکارا اور انکو جمع کرکے یک بارگی کافروں پر حملہ کرنیکا جوش دلایا۔ چنانچہ صحابہ فوراً رک گئے۔ اور پھر کافروں سے قتال میں مشغول ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے حوصلے پست اور ہمتیں کمزور ہو گئیں۔ اس لڑائی میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔ حضرت حمزہ بھی درجہ شہادت کو پہنچے کہ ایک حبشی غلام وحشی نے اپنی تلوار پوری شدت کے ساتھ آپ کی ناف میں اس زور سے ماری کہ آپ کا سنبھلنا مشکل ہو گیا چنانچہ حضرت حمزہؓ دو، چار قدم چل کر گر پڑے اور انتقال فرما گئے۔ ہندہ بنت عتبہ کو جب اس کی خبر ملی تو دوڑی ہوئی آئی اور نعشِ مبارک پر بیٹھکر ناک، کان کاٹ لیئے، پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر بولی کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی ہے کہ باپ کے قاتل کا خون پیا۔

لڑائی کے متعلق یہ تمام خبریں مدینہ طیبہ میں پہونچ رہی تھیں۔ جسکی وجہ سے وہاں کی عورتوں، ضعیف مردوں میں ایک طرح کا خوف پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کی خیریت کا منتظر تھا، چنانچہ ۱۵ شوال ۳ھ کو آپ مدینہ طیبہ میں داخل

ہوئے۔ مرد اور عورتیں آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنے شہدا کا غم بھول گئیں۔ حالانکہ ان شہید ہونے والوں میں انکے بھائی بھی تھے، شوہر بھی تھے اور جوان اولاد بھی تھی۔

سکھ۔ اس سال حضرت امام حسین پیدا ہوئے۔ بیر معونہ کا دل دوز واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں ستر صحابہ جو سب کے سب حافظ قرآن تھے شہید کیئے گئے صرف حضرت عمرو بن امیہ بچ سکے۔ جو بعد میں آزاد ہو کر مدینہ پہونچ گئے۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نجد کا رہنے والا ایک شخص جسکا نام عامر بن مالک تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتا ہوں اور اسلام لانیکا خواہشمند ہوں مگر اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ میرے ساتھ برا معاملہ نہ کریں۔ لہذا آپ چند سمجھدار صحابہ کو میرے ہمراہ بھیجدیں۔ تاکہ میں ان کو اپنی قوم میں لیجاؤں اور وہاں جاکر یہ لوگ وعظ و تبلیغ کریں اور اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ کوئی آدمی ان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر کو ستر صحابہ پر امیر بنا کر اس مقصد کیلئے اس کے ساتھ روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط نجد کے رؤسا اور با اثر لوگوں کو لکھدیا جس میں اسلام کی ترغیب اور دعوت تھی۔ یہ حضرات روانہ ہو کر مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر ٹھہر گئے جسکا نام بیر معونہ ہے۔ حضرت حرام بن ملحان اپنے دو ساتھیوں کو لیکر آگے بڑھ گئے تاکہ عامر بن طفیل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا دیں

جب یہ تینوں حضرات اس کے نزدیک پہنچے تو حضرت حرام بن ملحان نے فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ۔ پہلے میں جاکر دیکھتا ہوں اگر مجھکو امان مل گئی تو تم بھی میرے پاس آجانا ورنہ واپس لوٹ جانا ہم تینوں کے مارے جانیسے بہتر یہ ہے کہ میں ہی اکیلا مارا جاؤں۔ یہ بات طے کر کے حضرت حرام آگے بڑھے اور پکار کر فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اگر مجھے امان دیجائے تو حضور کا پیغام پہنچادوں۔ ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آکر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام صرف اتنا فرما کر کہ فزت ورب الکعبہ (یعنی خدائے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) زمین پر گر گئے اور انتقال کر گئے اس کے بعد کفار باقی صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ سارے صحابہ شہید ہوگئے۔ ان شہید ہونے والوں میں حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے جو ہجرت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ چکے تھے۔ شہید ہونے کے بعد ان کو یہ اعزاز ملا کہ انکی نعش فرشتے آسمان کی جانب اٹھا کر لے گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ کو انتہائی رنج ہوا اور ہرچند کہ آپ کی عادت مبارک کسی کو بد دعا دینے کی نہ تھی مگر آپ نے اکیس روز تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جسمیں ان کافروں کے حق میں بد دعا کی گئی تھی۔

غزوہ بنو نضیر بھی اسی سال ہوا جسکی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ یہود

کی سرشت اور فطرت میں ہمیشہ سے دغابازی اور مکاری رہی ہے اور یہ
غزوہ بھی ان کی مکاری کی وجہ سے پیش آیا کہ ان بدنصیبوں نے نبی اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت
عمر فاروق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک دیوار کے نیچے بیٹھا کر
آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان حضرات کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید
کردیں مگر آپ کو وحی کے ذریعہ اسکی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے
اٹھکر چلے آئے۔ چونکہ ان یہودیوں نے اپنا وعدہ اور معاہدہ خود ہی
توڑ دیا تھا۔ اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لاکر
ان کو کہلا بھیجا کہ "یا تو مسلمان ہوجاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ"۔ مگر یہ بدنصیب
عبد اللہ بن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد امداد پر اپنے بھروسا کئے
ہوئے تھے اسلئے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن موقعہ پر کوئی بھی
مدد کو نہ آیا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا
محاصرہ فرمایا اور چھ روز تک ان کی نگرانی فرمائی۔ آپ کے حکم سے ان کے
باغات اور جائدادیں نذر آتش کر دیگئیں۔ ان حالات کو دیکھ کر یہود
پریشان ہوگئے اور جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو صلح کی درخواست
بھیجی آپ نے اسکو منظور فرمالیا اور ان کو انتہائی رعایت دیتے ہوئے
کہدیا کہ اسباب منقولہ جتنا لیجا سکتے ہو مع اپنے اہل وعیال اور رشتہ
داروں کے لیجاؤ البتہ ہتھیار جسقدر ہوں وہ سب چھوڑ جاؤ چنانچہ
یہ لوگ مدینے سے نکل گئے اور چلتے ہوئے اپنے مکانات صرف اسوجہ سے

توڑ گئے کہ ان میں مسلمان نہ رہ سکیں۔ مکانوں کے کواڑ، چھتوں کی کڑیاں تک نکال کر لیگئے۔ اور خیبر میں جا بسے اسی محاصرہ کے دوران شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

اسی سال شوال کے مہینہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں نیز اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت خزیمہ کا نکاح سے آٹھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

۵ھ۔ اس سال ماہ محرم میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس لڑائی میں صحابہ کرام اپنی غربت کیوجہ سے ننگے پاؤں بھی تھے اور بغیر سواریوں کے بھی تھے۔ پیدل چلتے چلتے پیروں میں زخم اور چھالے پڑ گئے تھے۔ زخموں کی تکلیف سے نجات پانے کیلئے صحابہ کرام نے اپنے پیروں پر کپڑوں کے ٹکڑے (چیتھڑے) باندھ رکھے تھے اسی بنا ر پر اسکو غزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں یعنی چیتھڑوں والی لڑائی۔ اس غزوہ سے واپس آتے وقت دوپہر ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک جنگل میں قیام کیا اور سب صحابہ تھوڑی دیر آرام حاصل کرنے کی نیت سے ادھر ادھر سو رہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے آرام فرمانے کی غرض سے لیٹ گئے اور تلوار درخت میں لٹکا دی دفعتہً آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت

تمھاری جان بچائے۔ اسکے اس حال میں ہونے کا آپ پر ذرا اثر نہ ہوا اور پورے اطمینان سے جواب دیا کہ "خدا بچائیگا" یہ جواب سننا تھا کہ اس کافر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور بدن کپکپا اٹھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے وہ تلوار زمین سے اٹھائی او فرمایا "اب بتلا اس وقت تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائیگا۔ اس نے کہا "کوئی بھی نہیں" آپنے فرمایا رحم کرنا مجھ سے سیکھ اور یہ فرماکر تلوار نیچے کرلی۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہوگیا۔

نیز اسی ہجرت کے پانچویں سال صلوٰۃ خوف مشروع ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑے پر سے گرجانا اور تکلیف کی وجہ سے پانچ یوم مشربہ (دوچھتی) میں قیام فرمانا تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ (جو غزوہ بنی المصطلق میں قید ہوکر آئی تھیں) کو آزاد فرماکر اپنی زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔

منافقین کی جانب سے حضرت عائشہ رضؓ پر اتہام اسی سال لگایا گیا جو تاریخ وسیر میں قصہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ اجمالی واقعہ اسکا یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع کیلئے روانہ ہورہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ آپکے ہمراہ تھیں غزوہ سے واپسی پر اسلامی لشکر نے ایک جگہ قیام کیا۔ وہاں پہونچکر حضرت عائشہ قضائے حاجت کیلئے جنگل چلی گئیں۔ جہاں انکے گلے کا ہار ٹوٹ کر راستہ میں گم ہوگیا۔

حضرت عائشہ کو اسکے گرنے کی بالکل خبر نہ ہوئی. جب اپنے خیمہ میں پہنچ گئیں اور اتفاقی طور سے گلے پر ہاتھ پڑا تو پتہ چلا. حضرت عائشہ اسکی تلاش میں فوراً جنگل کی طرف روانہ ہوگئیں تلاش میں دیر لگی آکر دیکھا تو قافلہ کوچ کر چکا تھا. اور چونکہ خود ہلکی پھلکی تھیں. اسلئے انکا ہودج (سواری) اٹھانیوالوں کو اسکا احساس بھی نہ ہوا کہ یہ خالی اٹھایا جارہا ہے. یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عائشہ وہیں بیٹھ گئیں اور اپنا بدن کپڑے سے چھپا کر سو گئیں. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن معطل کو اس خدمت پر مامور فرما رکھا تھا کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کریں تاکہ اگر کوئی چیز کوچ کرنے کے بعد ملے تو یہ اسے اٹھا کر مالک تک پہنچا دیں. حضرت صفوان نے جب دیکھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ جنگل بیابان میں تنہا ہیں تو پریشان ہوگئے اور بلند آواز سے انا للہ پڑھی. آواز سنکر حضرت عائشہ بیدار ہوگئیں. دیکھا تو حضرت صفوان تھے فوراً اپنا منہ چھپا لیا کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا. حضرت صفوان حرم محترم کی انتہائی عزت کی بنا پر اونٹنی سے اتر گئے اور مہار پکڑ کر اونٹنی بٹھا دی، حضرت عائشہ اسپر سوار ہوگئیں اور امام بخاری کی تصریح کے مطابق جو خود حضرت عائشہ سے منقول ہے نہ کوئی بات چیت ہوئی نہ گفتگو اور دوپہر سے پہلے پہلے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گئیں.

واقعہ صرف اتنا ہی تھا اور بالکل بے غبار تھا لیکن منافقین کو

بہانہ ملگیا اور انھوں نے حضرت صدیقہ کو حضرت صفوان سے متہم کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر دی۔ اس واقعہ میں تین مسلمان صحابی جن کے مخلص ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا بھی مبتلا ہو گئے۔ دو مرد حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت اور ایک عورت حمنہ بنت جحش۔ حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں چونکہ یہ بات آ چکی تھی اس لئے آپ بہت غمگین اور افسردہ تھے۔ مختلف صحابہ سے آپ نے دریافت کیا اور مشورے لئے سب نے ہی حضرت عائشہ کی پاکدامنی پر زور دیا۔ خود حضرت عائشہ کی باندی حضرت بریرہ نے بڑے زور سے صفائی پیش کی لیکن حضور پر اس بدشہرت کا اتنا اثر تھا کہ آپ کا دل صاف نہ ہوا۔ ادھر حضرت عائشہ بخار کے ساتھ ساتھ اس غم میں گھلی جا رہی تھیں کہ آپ کی وہ محبت اور الفت کیوں یکدم ختم ہو گئی۔ ان ایام میں حضرت عائشہ کی جب طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اپنی سہیلی (جو حضرت مسطح کی والدہ تھیں) کے ساتھ قضائے حاجت کیلئے جنگل گئیں۔ راستہ میں سہیلی نے اس قصہ سے حضرت عائشہ کو آگاہ کیا اور مدینہ کے گلی کوچہ میں جو طوفان آیا ہوا تھا اس سے خبردار کیا۔ حضرت عائشہ اس واقعہ سے بڑی متاثر ہوئیں اور کچھ تو اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی کمزور تھیں اس واقعہ نے طبیعت پر بہت برا اثر ڈالا۔ بخار اور شدت کے ساتھ چڑھ آیا۔ گھر میں آکر لیٹ گئیں۔ آنسوؤں کا ایسا دریا بہہ رہا تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی آپنے اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عائشہ اپنے گھر پہونچ گئیں اور اپنی والدہ سے ملکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں جان نے تسلی دی۔ اطمینان دلایا مگر جو دل صدمہ سے پاش پاش ہو چکا تھا اس کو کچھ ڈھارس نہ بندھی اپنے میکہ پہنچکر ایک دن دو رات مسلسل روتے گذری۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس تشریف لیگئے اور فرمایا " اے عائشہ اگر تم پاکدامن ہو تو حق تعالیٰ یقیناً تمہارا بے قصور ہونا ثابت کر دیگا اور اگر تم سے غلطی ہوگئی تو توبہ کرلو۔ حق تعالیٰ معاف کر دیگا۔ حضرت عائشہ نے اپنے ابا جان حضرت ابوبکر سے کہا کہ اس بات کا جواب دو۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا مجھے کیا معلوم؟ میں کیا جواب دوں۔ حضرت عائشہ نے اپنی اماں جان سے درخواست کی کہ تم حضور کی بات کا جواب دو۔ مگر انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اسپر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایک نوعمر بچی تھی۔ قرآن پاک بھی اچھی طرح یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ میرے متعلق جو بہتان ہے وہ چونکہ تمہارے دل میں بیٹھ گیا۔ اسلئے اگر میں اپنی صفائی بھی پیش کروں گی تو تم میں سے کسی کو یقین نہیں آئیگا اب سوائے اسکے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کیطرح یہ کہدوں فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ماتصفون۔ یعنی صبر ہی کرنا بہتر ہے اور تمہاری بنی بنائی باتوں پر اللہ ہی سے مدد لینی چاہیئے۔

رنج و غصہ اور جوش کے ملے جلے جذبات کیوجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا اور "یوسف کے باپ" سے تعبیر فرمایا۔ یہ فرماکر شدت رنج سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

یہ بات چیت چل ہی رہی تھی سارا گھرانہ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اتنے میں آپ پر وحی کے آثار شروع ہوئے (کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ بے نیازی سے اس سلسلہ میں ایک ماہ تک وحی نازل نہ ہوئی تھی اس ایک ماہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ پر کیا کچھ گذری ہو گی) پیشانی مبارک پر پسینہ آگیا جو وحی آنے کی ایک بڑی علامت تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں ان آیات میں حضرت عائشہ کا بری ہونا، پاک ہونا، عفت مآب ہونا بڑے زور شور سے بتلایا گیا تھا۔ جب وحی کے آثار ختم ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا لو عائشہ تمھاری برأت کا پروانہ آگیا جسپر حضرت عائشہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لیگئے ممبر پر جاکر ایک وعظ فرمایا اور قرآن کی یہ آیات (جو حضرت عائشہ کی برأت کیلئے نازل ہوئی تھیں) مجمع کو سنائیں اور شریعت کے حکم کے مطابق جھوٹی تہمت لگانیوالوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے۔

غزوۂ خندق اسی سال ہوا اور چونکہ یہ لڑائی حضرات صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھود کر لڑی تھی۔ اسلئے

غزوۂ خندق ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خندق حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے کھودی گئی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ کھانے میں برکت اور وسعت کا اسی کھدائی کے دوران پیش آیا۔ وہ یہ کہ خندق کھودنے کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت جابر بھی مصروف عمل تھے۔ حضرت جابر نے جب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے تو چپکے سے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ اسلئے جو کچھ گھر میں ہو اسکو تیار کر لو۔ چنانچہ فوراً ایک پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیری گئی اور جَو کا آٹا جو تین سیر سے کچھ زائد تھا گوندھا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر حضرت جابر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے تھوڑا سا کھانا آپ کیلئے تیار کرایا ہے۔ جناب کے ہمراہ ایک دو ساتھی بھی چلیں۔ آپنے دریافت فرمایا کہ اس کھانے کی مقدار کتنی ہے انھوں نے مقدار بھی بتلادی۔ آپنے فرمایا عمدہ ہے اور بہت ہے۔ یہ فرما کر تمام اہل خندق سے فرمایا کہ جابر نے تمھاری دعوت کی ہے سب چلو اور حضرت جابر سے فرمایا کہ میرے آنے تک ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا اور میرے آنے تک روٹی نہ پکائی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سبکو ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں لپک کر اپنے گھر

پہنچا اور بیوی سے کہا کہ حضور تو پورے لشکر کو ساتھ لیکر آرہے ہیں وہ پریشان ہو کر کہنے لگیں کہ مجھے سب کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ کیونکہ کھانا بہت تھوڑا ہے پھر کہنے لگیں کیا حضور نے کھانے کی مقدار دریافت کرلی تھی ؟ حضرت جابر نے فرمایا کہ ہاں حضور کو اس کھانے کی مقدار بتلادی گئی تھی ۔ اس پران کی اہلیہ مطمئن ہوگئیں کہ اب کوئی فکر کی بات نہیں۔

تھوڑی دیر بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کے یہاں پہنچے۔ سالن اور آٹے پر دم کیا اور فرمایا۔ پکانے والی کو بلاؤ۔ روٹی تیار ہوتی رہی اور صحابہ کرام کو پیالوں میں کھلانا شروع کیا گیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا بھیڑ مت کرنا اطمینان سے کھانا۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ ایک ہزار مہمان اطمینان سے فارغ ہوگئے اور کھانا بچ رہا۔ یہ بچا ہوا کھانا حضورؐ کے حکم سے حضرت جابر کے گھر والوں اور ان کے پڑوسیوں نے کھایا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے معجزات کھانے میں برکت اور پانی وغیرہ میں وسعت کے بکثرت ہیں۔

سنہ ۶ھ سورج گہن اور نماز کسوف کی مشروعیت اسی سال ہوئی۔ حضرات صحابہ کرام کو کامل چھ سال ایسے گزر گئے کہ اس میں نہ ہی انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی، حج کیا اور نہ ہی اپنے وطن اصلی مکہ مکرمہ کو دیکھ سکے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی

کہ مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں۔ حج و طواف کریں۔ اسی دوران نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لیگئے اور عمرہ کیا یہ خواب سن کر تمام صحابہ زیارت خانہ کعبہ کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ایک جم غفیر کے ساتھ مکہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ ہوا۔ وہاں پہونچکر آپ نے بسر بن ابی سفیان کو اہلِ مکہ کے حالات کی خبر لانے کیلئے بھیجا جو تحقیق واقعہ کے بعد آپ سے عسفان میں ملے اور بتلایا کہ کفار مکہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ تاکہ یہ حضرات مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان ہی میں صحابہ سے فرمایا کہ خالد بن ولید وادی غمیم میں تمھارے حالات کی خبر لینے کیلئے آئے ہیں لہٰذا اپنا راستہ بدلدو اور فرمایا کوئی ہے جو کسی دوسرے راستہ سے ہم کو لیجائے۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے فرمایا "میں لیجاؤنگا" چنانچہ وہ آپ کو مع صحابہ کے نہایت دشوار گذار گھاٹیوں میں کو لیکر چلے۔ آپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سب نستغفر اللہ و نتوب الیہ (ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں) پڑھیں صحابہ نے ان کلمات کو دہرایا۔ آپ نے فرمایا یہ کلمات بنی اسرائیل پر پیش کئے گئے تھے مگر انھوں نے نہیں پڑھے۔ اس کے بعد آپ نے داہنی طرف سے چلنے کا حکم فرمایا۔ اسی موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر ہے

مکہ گئے ہوئے ہیں ان کے مکانوں پر حملہ کیا جائے تاکہ وہ یہ خبر سنکر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے مکہ چلیں۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ لڑائی کا ارادہ نہیں ہے اسلئے آگے بڑھیں۔ اگر وہ ہمیں روکیں گے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز پسند فرمائی اور آگے بڑھکر منزل بمنزل حدیبیہ پہنچے۔ وہاں پہونچکر بدیل بن ورقا ایک جماعت کیساتھ آئے اور کہنے لگے کہ مکہ والے آپ سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے۔ یہ سن کر آپ نے انھی (بدیل بن ورقا) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا ہرگز نہیں ہے ہم تو صرف خانہ کعبہ کا طواف اور اسکی زیارت کیلئے آئے ہیں لہٰذا ہمیں عمرہ کرنے سے نہ روکو۔ مگر کفار نے نہ مانا۔ آپنے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مستقل سفیر بناکر بھیجا تاکہ وہ سرداران مکہ سے گفتگو فرماکر مصالحت کرلیں مگر قریش نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور صاف کہدیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو ہم اپنے جان میں جان ہے مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو تم طواف وعمرہ کر سکتے ہو۔ مگر حضرت عثمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ اور طواف سے انکار کر دیا۔ یہ بات چیت کافی دیر تک ہوتی رہی اسلئے مسلمان متفکر ہوئے۔ ادھر لشکر اسلام میں حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی خبر پھیل گئی جس سے سب کو تفکر ہوا۔ خود نبی اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس خبر سے غمگین تھے۔ چنانچہ آپنے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہ سے اسپر عہد و پیمان لیئے کہ جب تک دم میں دم ہے کافروں سے لڑیں گے۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ جب کافروں نے اس بیعت کا قصہ سنا تو بوکھلا گئے اور ایک قاصد بھیجکر مصالحت کی گفتگو شروع کردی۔ آپ نے ان کی ہر شرط کو قبول فرمایا اگرچہ ان میں سے بعض شرطیں اتنی سخت تھیں کہ مسلمان ان کو کسی بھی طرح ماننے کیلیئے تیار نہ تھے۔ اسی کے ساتھ کفار مکہ نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی بھی خوب دکھلائی جس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ صلحنامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے جانے پر انھوں نے انکار کردیا اور کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ لہٰذا قومی دستور کے مطابق بسمک اللھم لکھو۔ مسلمانوں کو طرف سے بسم اللہ لکھنے پر اصرار تھا۔ مگر آپ نے کفار کی یہ بات بھی منظور فرمائی۔ معاہدہ کی ابتدا ان الفاظ سے تھی۔ ھذا ما قاضی علیہ محمّد رسول اللہ۔ یعنی یہ وہ تحریر ہے جسپر محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معاہدہ ہوا ہے اسپر سہیل (جو کفار کی طرف سے معاہدہ لکھ رہے تھے) بولے۔ اگر ہم تمھیں رسول اللہ مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔ ہم ہرگز رسول اللہ تم کو نہیں لکھنے دیں گے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھو۔ آپ نے فرمایا خدا میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم جتنا جھٹلاؤ۔ یہ فرما کر کاتب معاہدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی لفظ رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھدو۔ حضرت علی نے فرمایا میں آپ کا نام مبارک نہیں کاٹ سکتا

چنانچہ آپ نے خود اس جملہ کو کاٹ کر اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھدیا۔ الغرض صلح نامہ مرتب ہونے تک یہ اسی طرح جھگڑتے رہے۔ آخر کار صلحنامہ مرتب ہوا جس میں منجملہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں بھی تھیں۔

(۱) اس سال مسلمان بلا عمرہ کئے ہوئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال صرف تین دن کیلئے آئیں (۲) دس سال تک لڑائی بالکل موقوف کردی جائے (۳) قریش کا کوئی بھی آدمی اگر مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ جائے تو اسے فوراً واپس کردیا جائے۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو ہم اسکو مدینہ منورہ واپس نہ بھیجیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام شرطیں صرف یکطرفہ تھیں۔ تمام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر کو ان شرائط پر بڑا طیش آرہا تھا چنانچہ حضرت عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ نبی نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا ہم حق پر اور یہ کفار باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی ذلت کیوں برداشت کریں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ میرا مددگار ہے میں اسکی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ عرض کیا آپنے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جاکر طواف کرینگے؟ فرمایا ضرور کیا تھا۔ مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کرینگے۔ عرض کیا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا عمر میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ تو مکہ جائیگا طواف کریگا۔ حضرت عمر یہاں سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور یہی گفتگو وہاں جاکر کی۔ حضرت ابوبکر کے بھی وہی جوابات لفظ بلفظ

تھے جو حضور نے کہے ۔ آخر میں حضرت ابو بکر نے فرمایا ۔ او آدمی یہ اللہ کے رسول ہیں ان کی رکاب کو مضبوط پکڑو۔

اس قسم کے واقعات کی بنا رپر یہ ناکارہ اپنے اسباق میں کہا کرتا تھا کہ حضرت ابو بکر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نسبت اتحادی حاصل تھی ۔[۵۷]

اس صلح نامہ کی تکمیل فریقین کے دستخطوں کے ساتھ مکمل کر لی گئی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرات صحابہ کرام کے بغیر طواف وعمرہ کئے واپس تشریف لائے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب بیشک سچا خواب تھا۔ جسکی تعبیر پوری ہوئی ۔لیکن چونکہ خود خواب میں وقت اور سال کی تعیین نہیں کی گئی تھی اسلئے نہ ہی اس خواب کا اس مرتبہ پورا ہونا ضروری تھا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر کوئی حرف آسکتا ہے ۔ اس صلح کے موقعہ پر بہت سے واقعات پیش آئے لیکن دو واقعے بطور خاص تحریر کرتا ہوں ۔جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے معاہدہ کو نبھانا اور صحابہ کرام کی جانفروشی اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے ۔

حضرت ابو جندل رضؓ جو اسلام لانے کیوجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جاکر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ ان کے باپ سہیل نے جو اس

---

۵۷ ۔ اس مضمون کا اضافہ کتاب کی طباعت کیوقت ہوا ہے ۔

صلحنامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں
ہوئے تھے انھوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لیجانے
پر اصرار کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلحنامہ مرتب بھی نہیں ہوا۔ اسلئے
ابھی پابندی کس بات کی۔ مگر انھوں نے اصرار کیا، پھر حضورؐ نے فرمایا
کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دیدو مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانے۔ ابوجندلؓ
نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا
چکا اب واپس کیا جا رہا ہوں۔ اُس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر
رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر حضورؐ کے ارشاد سے واپس ہوئے۔
حضورؐ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنیکا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ
شانہ تمھارے لئے راستہ نکالیں گے۔ صلحنامہ کے مکمل ہوجانیکے بعد ایک
دوسرے صحابی ابو بصیرؓ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ کفار نے اُنکو
واپس بلانے کیلئے دو آدمی بھیجے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب
وعدہ واپس فرما دیا۔ ابو بصیرؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ صؐ میں مسلمان
ہو کر آیا آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے بھی صبر
کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمھارے واسطے
راستہ کھلیگا۔ یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ
میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم
ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے
نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا۔ یہ کہکر

تلوار ان کے حوالہ کردی۔ انھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی
یہ دیکھ کر کہ ایک تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے
اب میرا نمبر ہے۔ اس کے بعد ابو بصیرؓ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ
آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں
کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں۔
اسلئے میں نے یہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش کوئی
اسکا معین مددگار ہوتا۔ وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری
طلب میں آئیگا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا۔ اسلئے وہ وہاں سے چل کر
سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔ مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم
ہوا۔ تو ابو جندلؓ بھی جنکا قصہ پہلے گذرا۔ چھپ کر وہیں پہونچ گئے۔
اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ
ایک مختصر سی جماعت ہو گئی، جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام نہ وہاں
باغات اور آبادیاں۔ اسلئے ان لوگوں پر جو گذری ہو گی وہ تو اللہ ہی کو
معلوم ہے مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے۔
ان کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور
لڑتے حتی کہ کفار مکہ نے پریشان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں عاجزی اور
منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیکر آدمی بھیجا کہ اس بے سری
جماعت کو آپ اپنے پاس بلا لیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور

ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضورؐ کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا ہے تو ابو بصیرؓ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ حضورؐ کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

۷ھ - جو یہود مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے لیکن یہاں پہونچکر بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے اور کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنیکے واسطے ابھارتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکشی کو ختم کرنے کے لئے غزوہ خیبر اسی سال ہوا جس میں ۲۰ یا ۲۱ محرم الحرام کو ایک ہزار چار سو مسلح صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا اور خوب کھل کر لڑائی ہوئی۔ جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تو یہودیوں نے اپنی جانوں سے مایوس ہو کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کی درخواست کی اور کہا کہ تم لوگ کھیتی باڑی سے واقف نہیں ہو اور ہم لوگ اس سے واقف ہیں، لہذا اگر تم اپنی ماتحتی میں ہمیں بطور مضاربت کے رکھ لو تو احسان ہوگا۔ رحمت اللعالمین نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور اس طرح ان کی جانوں کو امان مل گئی۔

حضرت صفیہ جو حی بن اخطب کی بیٹی اور حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں اسی غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت کا

شرف بخشا۔ اسی سال متعہ کی حرمت نازل ہوئی۔ نیز گدھے کا گوشت
اور تمام درندوں کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ کی والدہ حضرت
ام رومان کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔

سال گذشتہ (۶ھ) کے صلحنامہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اکیس سو (۲۱۰۰) صحابہ کے ہمراہ عمرہ قضا پورا کرنے کی نیت سے مکہ معظمہ کا رخ کیا
اور وعدہ کے مطابق تین دن قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے
اسی سفر میں مکہ مکرمہ جاتے ہوئے حضرت میمونہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
نکاح ہوا۔ آپ کا ارادہ مکہ ہی میں رہ کر رخصتی اور دعوت ولیمہ کا تھا۔ تاکہ
کفار مکہ بھی اس میں مدعو ہوں۔ مگر ان بدنصیبوں نے اس دعوت عظمیٰ کی بھی
قدر نہ کی اور صاف انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیں
تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور
واپسی میں موضع سَرِف میں رخصتی ہوئی۔ اور اسی جگہ ولیمہ ہوا۔

قدرت کے کرشمے ہیں کہ جس جگہ نکاح ہوا اسی جگہ واپسی میں رخصتی ہوئی
اور جس مقام پر رخصتی کا خیمہ لگا ہوا تھا ٹھیک اسی جگہ پر ۵۱ھ میں انتقال
فرمایا۔ اسی سال خیبر کی صلح کے بعد ایک یہودیہ نے بکری کا گوشت پکا کر
اس میں زہر ملایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً بھیجا۔ آپ نے اپنے
اخلاق کریمانہ سے اسکو قبول فرمایا۔ اور نوش فرمانا شروع کیا۔ لقمہ منہ میں
رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے اس گوشت کو قوت گویائی مرحمت فرمائی۔ اس
نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو نہ کھائیے میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ آپ نے

لقمہ فوراً ڈالدیا اور صحابہ سے صورت حال بیان کی۔ آپ کے علاوہ ایک صحابی نے بھی اسی زہر آلود گوشت میں سے کچھ کھایا تھا اسلئے وہ جانبر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس زہر آلود گوشت کا اثر عمر بھر رہا اور وصال کے وقت اس کی سمیت نے زور دکھلایا، چنانچہ مرض وفات میں آپ نے فرمایا، اے عائشہ غزوہ خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر میں اب تک اپنے بدن میں پا رہا ہوں اور اس وقت میں اپنی رگِ جان کو اس زہر کی وجہ سے کٹتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔

یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے کہ آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا فرمادیا گیا۔

۸ھ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ (جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے) اسی سال پیدا ہوئے۔

صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس سال جمادی الاول کے مہینہ میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے جہاد کیا۔ جو غزوہ موتہ[1] کے نام سے مشہور ہے۔ یہ غزوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دینے کی وجہ سے پیش آیا۔ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے کوئی بھی تناسب نہ تھا۔ اسلئے مسلمان یک گونہ پریشان تھے بعض حضرات کا خیال تھا کہ چندے انتظار کر کے مدینہ منورہ سے مزید فوج طلب کیجائے مگر صحابہ کی اکثریت نے تاخیر

---

[1] موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں ہے۔

نامناسب سمجھتے ہوئے خدا کی مدد اور نصرتوں کو دل میں جما کر لڑنے کا فیصلہ فرمالیا۔ اس لڑائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت زید کو مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہوجائیں تو حضرت جعفر کو امیر بنالینا اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر بنالینا اور اگر یہ بھی شہید ہوجائیں تو موقعہ پر مسلمان جس کو بھی چاہیں امیر بنالیں۔ ایک یہودی آپ کی یہ گفتگو سن رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تینوں حضرات تو یقیناً شہید ہوں گے۔ کیونکہ پہلے زمانے کے انبیاء بھی جب اس قسم کی گفتگو فرماتے تھے تو اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور واقع ہوگی۔ چنانچہ یہ سارے حضرات شہید ہوئے اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید کے پاس آگیا۔ بس پھر کیا تھا رومی فوج میں ایک زلزلہ آگیا۔ حضرت خالد نے اس لڑائی میں نو تلواریں یکے بعد دیگرے بدلیں۔ کیونکہ ہر تلوار کشت وخون کی کثرت کی وجہ سے ناقابل استعمال ہوگئی تھی۔ بالآخر روم کی فوج نے شکست کھائی اور اسلامی لشکر خیر وعافیت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ اس لڑائی میں صرف بارہ ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

جب سے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی اس وقت سے لیکر اب تک اس میں کوئی منبر نہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہموار زمین پر کھڑے ہوکر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام سامعین تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی سال ایک انصاریہ عورت نے درخواست کی کہ میرا غلام نجار اس کام کو بہت اچھے طریقہ سے کرسکتا ہے

اگر اجازت ہو تو ایک منبر بنواؤں۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ بنوالیا جائے ضرورت کی چیز ہے۔ چنانچہ آپ کی اجازت ملجانے پر انصاریہ نے اپنے غلام میمون سے منبر بنوایا جس کی لکڑی غابہ[1] مقام سے لائی گئی تھی۔ منبر تیار ہونے پر جب آپ سابق جگہ سے منتقل ہو کر منبر پر تشریف لائے تو وہ کھجور کا تنا (جس پر آپ منبر بننے سے پہلے سہارا لگایا کرتے تھے) جدائی کی تاب نہ لا سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی یہ گریہ وزاری دیکھ کر آپ منبر سے تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس وقت وہ تنا اسی طرح ہچکیاں لیکر رو رہا تھا جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں پہونچکر ہچکیاں لیتا ہے۔

صاحب احیا نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ایک کھجور کا تنا جس پر آپ سہارا لگا کر منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لیگئے تو وہ کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رونے لگا یہاں تک کہ آپنے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس سے اسکو سکون ہوا۔ یا رسول اللہ آپ کی امت آپ کے فراق سے رونے کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس تنے کے۔

۱۰ رمضان المبارک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کو ساتھ لیکر مکہ مکرمہ فتح کرنے کی نیت سے تشریف لے چلے۔ راستہ میں دو ہزار آدمی

---

[1] یہ مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ ہے۔

مزید فوج میں داخل ہوئے۔ اب گویا اس لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی ابوسفیان بدیل بن ورقاء، حکیم بن حزام خفیہ حالات معلوم کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر میں آئے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو گرفتار کر کے دربار نبوی میں پہنچا دیا۔ ان تینوں نے وہاں پہنچکر ایک بار پھر حلم، صبر، عفو کا منظر دیکھا۔ طبیعت پر بیحد اثر ہوا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ رمضان کو دن چڑھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے آپ اس وقت ایک سانڈنی پر سوار تھے زبان پر سورہ فتح کی آیات تھیں تواضع اور انکساری کی وجہ سے گردن بارگاہ الٰہی میں جھکی ہوئی تھی اور آپ گویا سراپا شکر بن کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی سال غزوہ حنین پیش آیا۔ واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن و ثقیف کے بدوؤں نے یہ سوچکر کہ ہم پر حضور حملہ کریں بہتر یہ ہے کہ ہم ہی آپ پر حملہ کر دیں حنین میں جمع ہوئے اور حملہ کے تمام اسباب مہیا کرنے شروع کر دیئے۔ آپ کو جب اس تیاری کی خبر ملی تو دس ہزار اصل لشکر اور دو ہزار طلقائے مکہ کل بارہ ہزار کی جمعیت کو اپنے ہمراہ لیکر ۶ شوال ۸ھ میں حنین کے لئے روانہ ہوئے۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر اپنی تکثیر جماعت اور کثرت تعداد پر ناز کرتے ہوئے مکہ سے باہر نکلا۔ بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر اعتماد اور گھمنڈ پیدا ہوا۔ جس کو حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات نے پسند نہ فرمایا۔ اسلئے ابتداء ہزیمت ہوئی اور لشکر اسلام میں انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا۔ بالآخر اللہ جل شانہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس منتشر مجمع کو پھر جمع کر دیا۔ پھر

حضرات صحابہ کرام جم کر لڑے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد طائف کیجانب کوچ فرمایا اور اٹھارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو شخص قلعہ سے باہر نکل جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان کو سُن کر دس سے کچھ زائد آدمی قلعہ کی دیوار پھاند کر باہر نکل آئے۔ کیونکہ مشرکین نے قلعہ کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ اٹھارہ روز بعد آپ واپس تشریف لائے۔ اور راستہ میں جعرانہ سے احرام باندھکر ۲۴ ذیقعدہ کو عمرہ فرماتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

۹ھ ۔ اس سال غزوہ تبوک ہوا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ ۵ رجب روز پنجشنبہ کو آپ مدینہ طیبہ سے چلے تاکہ ہرقل (روم کا بادشاہ) اور جنگ موتہ کے ہارے ہوئے عیسائیوں کا زور توڑ دیں اور ان کا ارادہ جو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ہے اس کو ختم کر دیں۔ یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا مسلمان تنگ دست بھی تھے اور غریب بھی۔ اسلئے بڑی کثرت سے صحابہ کے درمیان چندہ ہوا۔ عورتوں نے اپنے بدن کے زیورات اتار کر دیدیئے۔ اسلامی فوج بیس ہزار کے قریب تھی لیکن رومیوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بیحد رعب پڑا۔ ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرما کر ان کو امن بخشا۔ اور بیس روز وہاں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق یہ واپسی شروع رمضان میں ہوئی۔ صاحب مجمع نے دو ماہ قیام فرمانا لکھا ہے اور بعض مورخین نے بیس دن اقرب یہی ہے کہ وہاں کا قیام بیس یوم کا تھا اور پورا سفر دو ماہ میں ہوا سفر

سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو آگ لگوا دی۔ یہ دراصل نام کی مسجد تھی جسے منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کیلئے بنائی تھی۔ اس سال پہلی مرتبہ اسلامی حج ادا کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق کی ماتحتی میں تین سو مسلمانوں کا دستہ انتظام وانصرام کی غرض سے روانہ ہوا اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کفار سے برات کا اعلان کرایا گیا جو سورہ برات میں مذکور ہے۔

اسی سال ماہ ذیقعدہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کا انتقال ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبعی رحم وکرم اور فطری شرافت ونجابت کی بنا، پر اس کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کی غرض سے آگے بھی بڑھ گئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا۔ اور آپ کی چادر مبارک پکڑ لی۔ اور نماز پڑھانے سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ ایک ایسے منافق کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں جس کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم الآیۃ۔ یعنی آپ چاہے منافقین کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں خدا ان کو نہیں بخشیگا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رأفت اور رحمۃ اللعالمین ذات نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے استغفار سے منع نہیں کیا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہو گی تو میں زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی جس پر

آیت شریفہ ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ الایۃ نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے حضور کو اور آپکے توسط سے آپ کی امت کو کسی کافر کی نماز جنازہ اور اسمیں شرکت سے قطعی طور پر منع کر دیا گیا۔ شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال بھی اسی سال ہوا جسکی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی دی گئی۔ آپنے صحابہ کو جمع فرما کر انکی نماز جنازہ غائبانہ طور پر پڑھی۔ (ف) حنفیہ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غائبانہ نماز پڑھنا آپھی کے ساتھ مخصوص تھا۔ تفصیل کے لئے مراجعت کرلیجائے۔ اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۰ھ۔ یہ سال نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا سال ہے حجۃ الوداع کا ترجمہ ہے رخصتی حج۔ کیونکہ اس حج کے تین ماہ بعد آپ انتقال فرما گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھبیس ذیقعدہ بروز شنبہ بعد ظہر مکہ مکرمہ سے چلکر چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ آپکے ہمرکاب تھے۔ حج کے موقعہ پر آپنے کئی تقریریں فرمائیں۔ سب کا حاصل یہی تھا کہ حج کے مسائل اچھی طرح یاد کرلو بہت ممکن ہے کہ آئندہ میں اور تم یہاں اکٹھے نہ ہو سکیں۔

چنانچہ فرمایا کہ تمھارا خون تمھارا مال تمھاری عزت یہ ساری چیزیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن اس شہر مکہ میں اور اس مہینہ میں حرام سمجھتے ہو۔

فرمایا۔ عنقریب (مرنے کے بعد) تم سب کو خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے یاد رکھو وہاں تم سے تمھارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔ فرمایا زمانہ جاہلیت

اور پختگی اعتقاد کے ساتھ پھر حاضری خانقاہ کا ارادہ کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم چومے اور بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں کی ریاضت کے بعد خرقہ خلافت حاصل ہوا۔

متفرق واقعات

حضرت کے مزاج میں سادگی اور بھولا پن بہت تھا۔ آپکے بھائیوں نے ادولی میں آپ کی نسبت کی۔ اول تو آپ نے بھائی بھاوج سے منع فرمایا اور کہا کہ مجھے اس جھگڑے سے چھڑاؤ جب وہ نہ مانے تو آخر کار خود ایک دن سسرال گئے اور دروازہ میں جاکر کہدیا کہ میں نامرد ہوں۔ تمھاری لڑکی کی عمر ضائع ہو گی۔ چنانچہ آپ کے اس عمل سے اس وقت شادی موقوف ہوگئی۔ پھر ایک زمانہ میں آپ نے شادی کی اولاد بھی ہوئی مگر اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ تین مرتبہ حق حق کہہ کر مر جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ اس رنج کیوجہ سے کہ اولاد نہیں جیتی آپ کے سامنے روئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب بچہ پیدا ہو گا وہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا اس نے حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا۔

ایک مرتبہ حضرت نے ایک دیگ کھانیکی تیار کرا کے راستہ میں رکھوادی اور یہ فرمایا کہ انشاء اللہ آنے جانیوالے اسمیں سے کھانا کھائیں گے اور کھانا کم نہیں ہو گا۔ چنانچہ تین روز تک ایسا ہی رہا کہ آنے جانیوالے اسمیں سے کھاتے رہے کچھ کمی نہیں ہوتی تھی۔ آخر شیخ العالم کے دل میں خطرہ گذرا کہ اس سے شہرت ہو گی اور شہرت کا ہونا موجب نقصان ہے۔ خدا رازق مطلق ہے وہ جانے اور اسکی مخلوق۔ غرض یہ خیال پختہ ہوتے ہی دیگ کو زمین پر مارا اور توڑ ڈالا۔

حضرت شیخ المشائخ شاہ عبد القدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالہ انوار العیون میں حضرت شیخ کی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔ فن اول قریب قریب تمام آپ ہی کے کمالات میں ہے۔ جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

حضرت کی عادت شریف اول وقت مسجد میں تشریف لیجانے کی تھی اور تشریف لیجا کر اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چالیس پچاس سال تک اس جامع مسجد میں آپ نے جھاڑو دی۔ لیکن استغراق کا غلبہ اسقدر تھا کہ اکثر راستہ میں خدام کو حق حق سے راستہ پر متوجہ کرنیکی ضرورت ہوتی۔

اس ہی وجہ سے حضرت شیخ کا لقب عبد الحق ہو گیا تھا اور اس ہی وجہ سے اس کلمہ کا تکرار حضرت کے خدام میں زیادہ ہو گیا تھا حتی کہ سلام و جواب میں اور نیز ابتدائے مکاتیب میں بھی بعض سلسلوں میں جاری ہو گیا تھا۔ لیکن متاخرین مشائخ نے خلاف سنت ہونیکی وجہ سے اسکو باقی نہیں رکھا۔

وصال شیخ کا وصال پندرہ جمادی الاخری ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ میں ہوا۔ قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں آپ کا مزار ہے۔ حضرت کی نسبی اولاد میں چند لڑکے پیدا ہوئے اور پیدائش کے وقت ہر ایک صاحب کرامات ہوتا تھا۔ لیکن حیات مقدر نہ تھی صرف شیخ محمد عارف زندہ رہے۔ آپ ہی سے آگے روحانی سلسلہ بھی جاری ہوا۔ آپ کے علاوہ میاں فرید شیخ بختیار وغیرہ حضرات بھی آپ کے خلفاء میں ہیں۔ ۵۱

---

۵۱ خزینۃ الاولیاء۔ انوار العاشقین، حسن العزیز جلد دوم، تعلیم الدین۔

(۲۶) شیخ عارف قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ احمد عبد الحق کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کی اولاد ہیں اور اجل خلفاء میں سے ہیں اپنے والد شیخ احمد عبد الحق کے وصال کے بعد مسند ہدایت پر تشریف فرما ہوئے اور خلق اللہ کو سیراب کیا علم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ کے اوصاف جمیلہ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ جو شخص آپ سے ملتا تھا وہ یہ سمجھتا کہ سب سے زیادہ کرم آپ کا مجھی پر ہے دوسرے پر نہیں۔

حضرت شیخ عبد الحق صاحبؒ کی ہر اولاد صاحب کمالات پیدا ہوتی تھی اور پیدائش ہی سے صاحب کرامات ہوتی تھی۔ حتی کہ کہا جاتا ہے کہ اس ہی وجہ سے زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس لئے آپ کی کرامات کا ذکر ہی کیا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی ساتھ ذاکر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ان کے والد صاحب کے احوال میں گذر چکا ہے کہ ہر اولاد پیدائش کے وقت حق حق کہا کرتی تھی اور اسکے بعد انتقال کر جاتی۔ اہلیہ محترمہ کے شکایت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ شیخ عارف پیدا ہوئے۔

آپ کا اسم گرامی بعض لوگوں نے شیخ احمد اور آپ کے والد کا نام شیخ عبد الحق لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۹ھ میں ہے کل عمر چالیس سال ہوئی اس حساب سے آپ کی عمر والد کے وصال کے وقت سترہ سال کی تھی جس میں آپ شیخ کامل ہو چکے تھے بعض مورخین نے آپ کی وفات ۸۸۲ھ بھی لکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے والد کی جگہ مسند ہدایت پر پچاس سال رہے اسکے بعد آبائی امانت اپنے بیٹے

شیخ محمد کے سپرد کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر پچاس سال سے بہت زائد ہے۔

وفات آپ کی وفات کی تاریخ بھی محقق طور سے نہیں معلوم ہو سکی البتہ سنا جاتا ہے کہ ردولی شریف میں آپ کا عرس ستر ہ صفر کو ہوتا ہے جو بظاہر تاریخ وصال ہے بعض شجرات میں بھی آپ کی تاریخ یہ ہی لکھی ہے۔ آپ کے خلفاء میں صرف حضرت کے صاحبزادہ شیخ محمدؒ کا ذکر کیا جاتا ہے ممکن ہے اور بھی خلفاء ہوں۔ ۵۱

(۲۷) شیخ محمد بن شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عارف کے سچے جانشین تھے۔ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ جو مشاہیر بزرگوں میں ہیں آپ ہی سے بیعت ہوئے تھے ان کا ارادہ اول کسی اور جگہ بیعت کا تھا مگر حضرت شیخ احمد عبد الحقؒ نے اپنے نسبی اور روحانی پوتے شیخ محمد کی طرف بیعت ہونیکی تلقین فرمائی۔

آپ کو مشاہدہ مطلق بہ کمال استغراق حاصل تھا۔ حضرت کا جب وصال قریب ہوا تو حضرت کے صاحبزادے شیخ الاولیاء معروف بہ شیخ بدہ شاہ آباد میں حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ کے پاس مقیم تھے۔ تصرف باطنی سے حضرت نے حضرت شیخ گنگوہی کو معہ صاحبزادہ کے بلوایا۔ ہر دو حضرات ایسے وقت میں پہنچے

---

۵۱ - خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

کہ نزع قریب تھا۔ اس وقت حضرت کے اوپر استغراق و سکر کا غلبہ تھا اور بار بار جب ہوش آتا تھا تو فرماتے تھے کہ الحمد للہ سمجھ گیا۔ حضرت شیخ گنگوہیؒ نے دریافت کیا کہ کیا چیز سمجھ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توحید مطلق کو سمجھ گیا آپ نے اپنی تمام امانات معارف اور اسم اعظم وغیرہ جو مشائخ سے ملتی آرہی تھیں حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سپرد فرمادیں۔ حضرت نے عرض کیا کہ میں آپ کی غیبت میں مفارقت کے رنج کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکونگا۔ مجھے کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت فرمادیں۔ حضرت نے اجازت فرمادی اور یہ بھی فرمادیا کہ اپنے بیٹے بدہ کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اسکی تکمیل کے بعد اسکو یہاں چھوڑ دینا۔

چنانچہ حضرت شیخ نے ایسا ہی کیا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ حضرت شیخ بدہ کو اجازت خلافت اپنے والد صاحب سے ہی حاصل ہے۔"

وفات آپ کی وفات کا صحیح حال معلوم نہیں ہوا۔ مگر شجرات میں ۸۹۸ھ لکھا ہے۔ بعض شجرات میں آپ کا وصال بھی سترہ صفر کو ہونا لکھا ہے۔ آپ کے خلفاء میں بجز حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کے اور کسی کا حال معلوم نہیں۔"

(۲۸) شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب صاحب نزہۃ نے یہ لکھا ہے شاہ عبدالقدوس ابن اسمٰعیل بن صفی بن نصیر الحنفی الردولوی الگنگوہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا اسم گرامی اسمٰعیل اور لقب شاہ عبدالقدوس تھا۔ اپنے لقب ہی سے آپ مشہور ہیں

بظاہر آپ کی ولادت ۸۶۰ھ میں ہوئی۔ علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ آپ اگرچہ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف کے خلفاء میں سے ہیں مگر آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبد الحق قدس سرہ سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہے۔ چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب انوار العیون میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت احمد عبد الحق کے منجملہ اور تصرفات کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے وصال سے پچاس سال بعد اس ناچیز کی اپنے روحانی فیض سے تربیت فرمائی۔

بیعت وارادت

آپ کے صاحبزادہ نے لکھا ہے کہ میرے والد کا ارادہ کسی اور جگہ بیعت کا تھا۔ حضرت شیخ احمد عبد الحق نے عالم کشف میں فرمایا کہ تم کسی دوسری جگہ بیعت کا ارادہ مت کرو، میں تمہاری تکمیل کرونگا۔ لیکن چونکہ حضرت والا کو ظاہری بیعت کا خیال پیدا ہوا اس لئے حضرت شیخ نے اپنے پوتے شیخ محمد بن شیخ عارف کی طرف متوجہ فرمایا۔ اس لئے حضرت شیخ بظاہر دو واسطوں سے اور بباطن خود حضرت شیخ عبد الحق ردولوی سے بیعت ہیں۔ اپنے شیخ کے علاوہ شیخ قاسم اودھی جو سلسلہ سہروردیہ کے اکابر میں ہیں آپ کو ان سے بھی خلافت حاصل ہے۔ آپ مادر زاد ولی تھے بچپن ہی میں صاحب کرامات ہو گئے تھے۔ ابتداءً آپ نے کچھ سلسلہ زراعت کا بھی رکھا ہے۔ اور کھیتی کی پیداوار کے بعد اول فقراء کو تقسیم فرماتے۔ اسکے بعد اپنے کام میں لاتے۔

آپ کو سماع کا بھی ذوق تھا۔ مجلس میں بڑے شوق سے شرکت فرماتے۔

(فائدہ) مجلس سماع کے منعقد کرنے کے لئے علمانے دس شرطیں لکھی ہیں ان شرائط کے پائے جانیکے بعد غالباً اہل افتا بھی اسکی زیادہ مخالفت نہ کریں وہ شرائط اکابر سلسلہ کے کلام میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔ لیکن حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے ایک مستقل رسالہ حق السماع کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اسمیں امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم سے پانچ شرائط اور پانچ موانع تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ فصل سابع کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

فصل سابع اسکے بیان میں کہ درصورت اباحت اس کیلئے کچھ شرائط و موانع ہیں یا نہیں اور ہمارے زمانہ میں آیا وہ شرائط پائے جاتے ہیں یا موانع موجود ہیں۔ سو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں پانچ شرطیں اور پانچ مانع لکھے ہیں۔ شرطیں یہ ہیں۔ اوّل رعایت زمان ومکان و اخوان کی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سماع تین چیز کا محتاج ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو مت سنو۔ زمانؔ ومکانؔ واخوانؔ، زمان سے مراد یہ ہے کہ ایسا وقت ہو کہ اسمیں کوئی ضروری کام شرعی یا طبعی نہ ہو جیسے کھانا کھانا، کسی سے قصد و تکرار کرنا، نماز پڑھنا یا اور کوئی ایسا شغل جس سے دل بٹ جائے۔ مکان سے مراد یہ ہے کہ سماع کا مقام ایسا ہو کہ وہاں آمد و رفت کا راستہ نہ ہو۔ ایسا کوئی ہنگامہ نہ ہو جس سے دل بٹ جائے، اخوان سے مراد شرکار مجلس اس شرط کیوجہ یہ ہے کہ جب مجلس میں کوئی ناجنس جو دولت باطن سے بے بہرہ ہو آجاتا ہے اسکا آنا ناگوار اور گراں معلوم ہوتا ہے اور دل ادھر لگ جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی مغرور دنیا دار آجاتا ہے اس کی آؤ بھگت اور دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے یا کوئی بناوٹ والا ریاکار صوفی شامل ہو جاتا ہے جو ریاکاری سے وجد کرتا ہے کپڑے پھاڑتا ہے ایسے لوگوں کی شرکت سے لطف برباد ہو جاتا ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے ہمارے زمانہ میں اس شرط کی کہاں تک احتیاط کی جاتی ہے۔ اکثر نمازوں کے وقت سماع ہوتا رہتا ہے۔ گاہ گاہ نماز بھی فوت ہو جاتی ہے اور جماعت کا فوت ہو جانا اور وقت کا تنگ ہو جانا تو معمولی بات ہے پھر نماز یا جماعت کے فوت ہو جانے سے قلق بھی نہیں بمقابلہ سماع کے سنن اور فرائض کی کچھ زیادہ وقعت نہیں سمجھی جاتی بلکہ بعضے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ میاں حقیقی عبادت تو یہی ہے اور نماز سے بڑھکر ہے نعوذ باللہ منہ، اکثر ایسے موقعوں پر سماع ہوتا ہے جہاں کسی کی بھی روک ٹوک نہیں ہوتی حتی کہ اکثر فواحش و بازاری و عوام الناس تماشہ دیکھنے جمع ہو جاتے ہیں تخلیہ کا کہیں بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اکثر امراء و اہل ثروت حاضر رہتے ہیں۔ عین مجلس میں ان کی نشست و برخاست میں امتیاز کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ریاکار بھی کثرۃ سے شریک رہتے ہیں بلکہ زیادہ حصہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے بعض مجالس میں اہل انکار بھی ہوتے ہیں جو اہل حال پر ہنستے ہیں ان پر طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض موقعوں پر نوبت فوجداری و مناقشہ کی بھی ہو جاتی ہے۔ غرض شرط مذکور کا ایک جزو بھی نہیں پایا جاتا۔

اب دوسری شرط کی نسبت امام صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حاضرین کی حالت میں غور کرے، جن مریدوں کو سماع سے ضرر ہوتا ہے

شیخ کو چاہیئے کہ ان کے روبرو سماع نہ سنے، جن لوگوں کو سماع مضر ہوتا ہے وہ تین قسم کے ہیں۔

اوّل وہ شخص جو ابھی طریقت سے واقف نہیں ہوا صرف ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو بوجہ مناسبت باطن کے سماع سے ذوق تو ہے مگر ابھی اسمیں حظوظ اور شہوات باقی ہیں۔ نفس کی قوت اچھی طرح شکستہ نہیں ہوئی ایسے شخص کو سماع سننے سے شہوت کا ہیجان ہوگا اور بیچارے غریب کا راہ مارا جاویگا اور تکمیل سے رہ جاویگا۔ تیسرا وہ شخص کہ اس کی شہوت بھی شکستہ ہوگئی ہو اور کسی خرابی کا بھی اندیشہ نہ ہو اور آنکی چشم بصیرت بھی کشادہ ہوگئی ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اسکے قلب پر غالب ہو۔ مگر ظاہری علوم میں کمال اور پختگی حاصل نہ ہوئی ہو اور اسمار وصفات کے مسائل سے اچھی طرح واقف نہ ہو جس سے یہ سمجھ سکے کہ جناب باری تعالیٰ میں کس امر کو نسبت کرنا جائز ہے اور کس کو منسوب کرنا باطل جب ایسا شخص سننا شروع کریگا اور سب مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف لے دوڑیگا، خواہ اس کا منسوب ہونا باری تعالیٰ کیطرف صحیح ہو یا غلط۔

پس ان خیالات کفریہ سے جسقدر ضرر ہوگا سماع سے اتنا نفع بھی نہ ہوا ہوگا۔ سو ایسے شخص کو سماع لائق نہیں جس کا قلوب ہنوز حب دنیا وحب جاہ میں آلودہ ہو ایسے شخص کو بھی مناسب نہیں جو محض لذت اور طبیعت خوش کرنیکو سنتا ہے پھر شدہ شدہ اسکی عادت ہوجاوے اور ضروری عبادات اور مراعات قلب سے اسکو باز رکھے اور طریق سلوک اسکا منقطع ہوجاوے۔ الغرض سماع

بڑی لغزش کی چیز ہے ضعیف الحال لوگوں کا بچنا اس سے واجب ہے۔

آہ۔ اب اپنے زمانہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ اکثر سماع میں ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے حق میں سماع مضر ہو۔ باطن کی تو کہاں نوبت آتی ہے ان لوگوں کے ظاہری اعمال تک درست نہیں ہوتے کثرت سے بے نماز ڈاڑھی منڈے رشوت خور ظالم آوارہ مزاج بدوضع نوعمر، پر شہوت، حسن پرست، اس قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور اگر ان میں کوئی شخص مرتاض عابد زاہد ذوق شوق والا بھی ہوا۔ مگر علم ظاہری بقدر کفایت نہیں ہوتا نہ شریعت سے آگاہ جس سے یہ سمجھے کہ کون مضمون کا اعتقاد کرنا جناب باری میں جائز ہے، نہ علم حقیقت میں ماہر کہ مسائل غامضہ صحیح صحیح سمجھ سکے نہ عارفین کے اصطلاحات اور رموز سے واقف جس سے اشعار مسموعہ کی تاویل کر سکے اور شریعت و حقیقت میں تطبیق دے سکے. غرض بے علمی سے خدا جانے کیا واہی تباہی اپنے خیال فاسد و وہم کاسد سے جو جی میں آیا سمجھ بیٹھا اور اس سے مزہ لینا شروع کیا خواہ وہ خیال بدعت ہو یا کفر ہو ان کو اس سے کچھ بحث نہیں اپنے مزہ سے کام، اب خیال فرمائیے کہ جب یہ شعر ناقص العلم کے کان میں پہنچتا ہوگا۔ ؎

زدریا موج گوناگوں برآمد ز بیچونی برنگ چوں برآمد
گہے در کسوت لیلے فروشد گہے در صورت مجنوں برآمد

تو بجز اسکے اور کیا خاک سمجھتا ہوگا کہ اللہ میاں مختلف شکلوں میں سیر کرتے پھرتے ہیں اور یہ اعتقاد صریحاً کفر ہے اور ہزاروں اسمیں مبتلا ہیں۔ ایسے اشعار کے صحیح صحیح سمجھنے کیلئے دو امر کی ضرورت ہے، اول بزرگوں کی اصطلاحات

معلوم ہوں. مثلاً دریا کس کو کہتے ہیں، موج سے کیا مراد، ظہور کیا چیز ہے، مختلف اکوان میں نزول کے کیا معنے. دوسرے یہ جانتا ہو کہ ان معانی اصطلاحیہ کا اعتقاد جناب باری میں جائز ہے یا نہیں، سو یہ دونوں امر موقوف ہیں علم کافی پر۔

اب دیکھ لیجئے کہ اس وقت کے اہل سماع میں سے ایسا تقویٰ ایسا مجاہدہ ایسا علم کتنے شخصوں میں پایا جاتا ہے، اور اگر کسی ایک آدھ میں سب اوصاف بھی ہوئے تو تمام اہل مجلس میں تو نہیں پھر نا اہل کے روبرو اہل کو سننے کی بھی تو اجازت نہیں، پھر ایسی دوسری شرط کہاں ملحوظ رہی۔

اب تیسری شرط سنیئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا ادب یہ ہے کہ خوب کان لگاکر مضمون سنے. ادھر ادھر نہ دیکھے، حاضرین مجلس کے چہروں پر نظر نہ کرے، ان کے وجد و حال کیطرف التفات نہ کرے، اپنے دھیان میں لگا رہے اپنے قلب پر نظر رکھے اسکے باطن میں جو منجانب اللہ کشود ہو اس پر نگاہ رکھے. کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسروں کے دل بٹ جائیں بلکہ بالکل بے حس اور بے حرکت ہوا بیٹھا رہے، نہ کھنکارے نہ جمائی لے، سر جھکائے ہوئے جیسے کسی سوچ میں بیٹھا ہو۔

نہ تالیاں بجاوے نہ کودے نہ اچھلے نہ کوئی حرکت بناوٹ اور نمایش کی کرے، بلکہ بلا ضرورت شدید منھ سے کوئی بات نہ نکالے، ہاں اگر بے اختیار کوئی کیفیت غالب آجاوے اسمیں معذور ہے کوئی ملامت نہیں، پھر جب اپنے اختیار میں آجاوے فوراً ہی ساکت و ساکن ہو جاوے، پھر یہ شایان نہیں کہ وہی حالت بنائے رکھے محض اس شرم سے کہ لوگ یوں کہیں گے فلاں شخص کا وجد جلدی ختم ہو گیا، قصداً وجد نہ کرے صرف اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا سنگدل ہے اسکے قلب میں

کچھ صفائی اور رقت نہیں۔ آہ! اب اہل زمانہ کی حالت قابل غور ہے کہ اس شرط کی کہانتک رعایت کرتے ہیں۔ اول تو مضمون سمجھنے والے ہی بہت کم ہیں۔ جب سمجھ میں نہ آوے گا تو اسکی طرف کان ہی کیا لگاوینگے، دوسرے گانے والے چونکہ بعض جگہ خوش رو جوان ہوتے ہیں، بعض جگہ یہ ظلم ہے کہ بازاری عورتیں ہوتی ہیں۔ اہل مجلس ان کو خوب گھورتے ہیں۔ ایسی حالت میں کشود باطن کا ذکر ہی کیا جس کی طرف متوجہ رہنے کا ان کو موقع ملے انکو اپنی شہوت پرستی ہی سے فرصت نہیں۔ پھر بعض لوگوں میں تو یہ غضب ہے کہ ایسی نظر کو عبادت اور نعوذ باللہ موجب قرب الہٰی سمجھتے ہیں۔ بھلا ایسے عقیدے کے ساتھ ایمان کا سالم رہنا کس طرح ممکن ہے اور اگر کسی نے دیکھنے بھالنے سے احتیاط بھی کی اور سر جھکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا اور کوئی کیفیت بھی ہوگئی اول تو ایسی بے ادبیوں کے ساتھ وہ روحانی نہ ہوگی اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجاوے تو یہ مصیبت ہے کہ اگر ذرہ ہوگی تو اسکو پہاڑ کر کے ظاہر کر ڈالیں گے۔ کہیں نعرے لگا رہے ہیں، کہیں لوگوں پر گر گر پڑتے ہیں، غرض تمام مجلس میں ایک طوفان برپا کردیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب دل اتفاقاً پھنس گیا تو ان بیہودہ حرکتوں سے اسکا تمام تر لطف برباد ہوجاتا ہے۔ غرض تصنع وریا وایذاء اہل مجلس کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں، پھر کیفیت فرو ہونیکے بعد لوگوں کی نظر میں صاحب حال بنے رہنے کے خیال سے بہت دیر تک جھوٹا نشہ چڑھائے رکھتے ہیں اور ہو حق کے نعرے لگانے رہتے ہیں، غرض یہ شرط بھی گذری۔

اب چوتھی شرط ملاحظہ ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چوتھا ادب یہ ہے کہ کھڑا نہ ہو اور نہ بلند آواز سے چلا دے۔ جب تک اپنے کو ضبط کرنے پر قادر ہو۔

آہ! اس شرط کو بھی اہل عصر نے مہمل کر رکھا ہے۔ اچھے خاصے ہوش و حواس درست اگر اپنی حالت و کیفیت کو پوشیدہ رکھنا چاہیں تو ممکن ہے مگر اس طرح عوام کیونکر معتقد ہوں اور مجلس کس طرح ہو اسلئے اسقدر غل غپاڑہ کرتے اور جامے سے باہر نکلے جاتے ہیں کہ گویا تمام اہل حال کے قبلہ و کعبہ حضرت ہی ہیں۔

پانچویں ادب کے باب میں فرماتے ہیں اگر کوئی صادق الحال کھڑا ہو جاوے تو سب کو اسکی موافقت کرنا چاہیئے اور وجہ اسکی یہ ہے اپنے احباب و اصحاب کی رعایت ضروری ہے یہ خلاصہ ہے انکی تقریر کا۔ اس ادب کو سن کر بعضے لوگ خوش ہونگے کہ اس پر تو ہمارا عمل ہے سو حضرت من اول تو ایک شرط بجالانے سے کیا کام چلتا ہے جب تک سب پر عمل نہ ہو اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص وضو میں صرف منہ دھوئے اور ہاتھ نہ دھوئے اور نہ مسح کرے اور نہ پاؤں دھوئے اور یہ کہہ کر ایک جزو تو میں نے پورا کرلیا نماز شروع کرے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نماز بالکل باطل ہوگی۔ دوسرے اگر معنی فہمی سے کام لیا جاوے تو معلوم ہوگا اس شرط پر بھی عمل نہیں ہے کیونکہ مدار اس شرط کا مراعات احباب کی ہے اور موافقت فی القیام اسکی ایک ظاہری صورت ہے اور مراعات جانبین سے واجب اللحاظ ہوتی ہے۔ مثلاً جس طرح مقتدیوں کو حکم ہے موافقت امام کا اسی طرح معنے امام پر بھی لازم ہے موافقت قوم کی یعنی نماز میں ان کی راحت و سہولت کا لحاظ رکھے اسی طرح یہاں سمجھیئے کہ جس طرح اہل مجلس کو صاحب حال کی موافقت چاہیئے اسی طرح اس شخص کو بھی قوم کی رعایت چاہیئے۔ بعض لوگ حال فرو ہو چکنے کے بعد بھی اسقدر قیام طویل کرتے ہیں کہ حضار مجلس کو قیام میدان قیامت کا نظر آتا ہے۔ جس کی مقدار ایکہزار پچاس ہزار

سال کی ہوگی۔ علی اختلاف الاقوال، تمام اہل مجلس تنگ اور دق ہو جاتے ہیں اور انکا زور نہیں گھٹتا۔ غرض یہ شرط بھی رخصت ہوئی۔

یہانتک تو شرائط کا حال معلوم ہوا کہ کیا کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا کیا ہو رہا ہے۔ اب موانع کا حال سنیئے جن کے ہونیسے سماع ممنوع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیے کہ ہمارے زمانہ کی اکثر مجالس ان موانع سے مزین ہوتی ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ آیا سماع کسی حالت میں حرام بھی ہو جاتا ہے تو ہم جواب دینگے کہ ہاں پانچ امر ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی پیش آجاوے تو سماع حرام ہو جاتا ہے۔ ایک امر شعر سنانیوالے کے متعلق ہے، دوسرے امر آلہ سماع کے متعلق، تیسرے خود شعر منظوم کے متعلق اور چوتھے سننے والے اور اسکی عادت ڈال لینے کے متعلق اور پانچویں سننے والے کے عوام الناس میں سے ہونیکے متعلق، کیونکہ سماع کے ارکان یہی ہیں۔ سنانیوالا، سننے والا آلہ سماع سو پہلا امر ان عوارض و موانع سے یہ ہے کہ گانیوالی عورت ہو جس پر نگاہ کرنا حرام ہے اور اسکی آواز سے خرابی پیدا ہونیکا امکان ہے۔ اور اسی حکم میں ہے نوجوان لڑکا جس سے خرابی کا احتمال ہو اور یہ بالکل حرام ہے اسلیئے کہ اسمیں خرابی پیدا ہونیکا خوف ہے۔ آہ! حضرات آپنے بزرگوں کے مزارات پر دیکھا ہوگا کہ بازاری عورتیں جن کو دلربائی اور دلفریبی میں خاص ملکہ ہے بے محابا گاتی ہیں اور ہزاروں کے زہد اور تقویٰ کو برباد کرتی ہیں۔ اگر بعض جگہ اسکی احتیاط ہے تو خوبصورت خوش وضع لڑکے عمدہ لباس پہنکر مانگ پٹی جما کر تماشائیوں کے نظارے گاہ میں گاتے ہیں یہ اس سے بڑھکر بلا ہے۔

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ دوسرا امر جو آلۂ سماع کے متعلق ہے، یہ ہے کہ وہ آلہ شرابیوں یا مخنثوں کا شعار ہو اور وہ تمام مزامیر ہیں اور جتنے اقسام تار کے ہیں اور طبل جو ڈھول نما ہو۔ آہ! زمانہ میں دیکھ لیجئے اکثر مجالس میں یہی آلات ضرور ہوا کرتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ تیسرا امر نظم کے متعلق، وہ یہ ہے کہ مثلاً اس شعر میں خط و خال و قد و قامت و اوصاف و محاسن محبوبان مجازی کا ذکر ہو۔ سو اگرچہ ایسا شعر کہنا یا پڑھنا یا سننا فی ذاتہ حرام نہیں مگر یہ امر ضرور واجب ہے کہ اس کو ایسے شخص پر نہ ڈھالے جو اس کیلئے حلال نہیں اگر ایسا کرے تو اس ڈھالنے سے اور اسمیں خیال دوڑانے سے گنہگار ہو گا اور جس شخص کا ایسا گندہ خیال ہو اس کو سماع سے بالکل علیحدہ رہنا چاہیئے۔ آہ! اس عارضہ کے اعتبار سے بھی اپنے زمانہ کی حالت مخفی نہیں، اکثر مجالس میں ایسے اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔ اور اہل مجلس میں سے بہتیرے نوجوان ہوسناک جو نامحرم عورتوں اور مردوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے اشعار کو ان کی طرف لیجاتے ہیں جن سے انکے قلب میں درخت فساد کو زیادہ نشو و نما ہوتا ہے۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ چوتھا امر سننے والے کے متعلق، وہ یہ ہے کہ اس شخص میں ابھی قوت شہویہ غالب ہے اور جوانی کا جوش ہے اور یہ صفت اس کی دوسری محمود صفات پر غالب ہے، ایسے شخص کیلئے سماع مطلقاً حرام ہے خواہ اسکے دل میں کسی محبوب مجازی کی محبت غالب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ ہر حال میں جب یہ شخص ایسے مضامین خط و خال و فراق و وصال کے سنے گا اسکی شہوت کو جنبش ہو گی اور

شیطان اسکے دل میں پھونک مار کر کوئی معشوق تراش کر اسکی طرف متوجہ کردیگا پس اسکے دل میں آتش شہوت مشتعل ہوگی اور خبیث قوتیں تیز ہونگی اور اسمیں شیطانی گروہ کو قوت دینا اور لشکر خداوندی یعنی عقل کو کمزور کردیتا ہے۔ پس واجب ہے کہ ایسے شخص کو مجلس سماع سے باہر کردیا جائے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ محض نوجوانی کو موجب مضرت بتلا رہے ہیں گو اسکا دل کسی جگہ پھنسا نہ ہو بلکہ ایسے شخص کو مجلس سے نکالدینے کو فرما رہے ہیں اور جہاں اور اسباب فساد بھی جمع ہوں تو اسکا تو کچھ پوچھنا نہیں اب اپنے زمانہ کی مجالس ملاحظہ ہوں کہ ان میں اکثر نوجوان ہی زیادہ ہوتے ہیں اور نکالنے کی تو ہمت کیا ہوگی خود رقعہ لکھ لکھ کر بلایا جاتا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

پانچویں امر کی نسبت فرماتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ شخص عوام الناس سے ہو نہ اللہ کی محبت اسپر غالب ہے نہ کوئی شہوت ہی اس پر غالب ہے اس کیلئے فی نفسہٖ مباح ہے مگر جب اسکی عادت مقرر کرلے اور اکثر اوقات اسمیں لگا رہے تو یہ شخص مردود الشہادۃ ہوجاویگا۔ آہ! اب اپنے زمانہ کا حال دیکھ لیجئے کہ جو لوگ اسمیں مبتلا ہیں انھوں نے اسکو بالکل دال روٹی کر رکھا ہے اور ذرا سا بہانہ مجلس منعقد کرنیکے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ یہانتک شرائط و عوارض کی تفصیل اور اپنے زمانہ کی حالت ہم نے دکھلادی ہے اب جواز ناجواز کا فیصلہ خود ناظرین کرلیں، ہمارے عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔"

آپ کے وصال کے بعد شیخ رکن الدینؒ نے غسل سے فارغ ہوکر حضرت کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو دل پر ذکر قلبی کی حرکت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت کے

مکتوبات مشہور ہیں جو نہایت ہی عوارف و معارف سے لبریز ہیں چونکہ وہ فارسی میں ہیں اسلئے ان اوراق میں نقل نہیں کرسکا اور ترجمہ میں وہ حقائق جو اصل عبارت میں ہیں میں ظاہر کرنے پر قادر نہیں تھا اسلئے مجبور رہا تاہم جو لوگ فارسی داں ہیں وہ انوار العارفین وغیرہ رسائل میں ضرور مطالعہ کریں کہ ان کو بیحد مفید ہوں گے۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سلوک میں جو بھی اشکال پیش آتا تھا وہ مکتوبات کے دیکھنے سے حل ہو جاتا تھا۔

تالیفات آپ کی مؤلفات میں ایک کتاب انوار العیون ہے جس کے سات فن ہیں جن میں حقائق و دقائق تصوف کو جمع فرمایا ہے۔ فن اول کا زیادہ حصہ حضرت شیخ عبدالحق رحؒ کے کمالات میں ہے اسکے علاوہ آپکی تصانیف یہ بھی ہیں۔ تعلیقات علی شرح الصحائف علم کلام میں، عوارف المعارف کی ایک بسیط شرح حاشیہ التعرف۔

آپ کے حالات لطائف قدوسی میں جو حضرت کے نسبی اور روحانی فرزند شیخ رکن الدین کی تصنیف ہے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ مراۃ الاسرار اقتباس الانوار، انوار العارفین میں بھی پائے جاتے ہیں اس مختصر رسالہ میں انکی گنجائش نہیں تھی تاہم نمونہ کے طور پر ایک دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔

متفرق واقعات حضرت شیخ کے ایک مرید تھے ان کو وسوسہ ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کرلی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں اور اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اور جگہوں کا بھی رنگ

ڈھنگ چلکر دیکھنا چاہیئے مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا۔ شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کرلیا اور ایک موقعہ پر ان سے فرمایا کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے سیروا فی الارض۔ لہٰذا تم اگر کچھ عرصہ ادھر ادھر پھر آؤ تو تفریح بھی ہو جائیگی اور مختلف مشائخ کی زیارت و برکات سے بھی مشرف ہو جاؤ گے اور اس وقت میں اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو تو کچھ حرج نہیں یہ مرید دل میں خوش ہو گئے کہ اچھا ہوا۔ شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا رخصت ہو کر روانہ ہوئے جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے سب نے وہی پاس انفاس کا شغل بتایا جو کہ ابتدا میں شروع کرایا جاتا ہے۔ بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں وہ ابتدا الف با۔ تا سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے آخر شرمندہ ہو کر پھر حضرت شیخ گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ شیخ نے فرمایا کہ کیوں بھائی اب تو تسلی ہوئی۔ بس دور کے ڈھول سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایک طرف گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو۔

(۲) محمد غوث گوالیاری جو کتاب ، جواہر خمسہ کے مصنف ہیں عامل تھے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہم عصر ہیں۔ حضرت شیخ کے لانے کیلئے انھوں نے ایک مرتبہ جنوں کو بھیجا، شیخ مسجد میں مشغول تھے، جن پہنچے مگر پاس جانیکی ہمت نہ ہوئی شیخ نے خود ہی سر اٹھا کر دیکھا پوچھا کون ؟ جنوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے وہ زیارت کا مشتاق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ تکلیف نہ ہو حضرت نے فرمایا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ محمد غوث کو لے آؤ۔ چنانچہ جنات پہنچے اور انکو

لیکر چلے۔ انھوں نے جنات سے دریافت کیا کہ اسکی کیا وجہ ہے تم تو میرے مطیع تھے اب یہ سرکشی کیسی؟ جنوں نے جواب دیا کہ سب کے مقابلہ میں تو تمھارے مطیع مگر شیخ کے مقابلہ میں تمھاری اطاعت نہیں۔ غرض کہ ان کو لیکر شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ تمھیں شرم نہیں آتی اور بہت ڈانٹا۔ آخر کار وہ بیعت ہو کر صاحب نسبت ہو گئے گوالیار میں انکا مزار ہے۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت کے ایک خادم نے جو امیر کبیر آدمی تھے اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امرا و غربا کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لیگئے اس طرح سے کہ کسی کو اس تشریف لیجانیکی اطلاع نہ ہو لباس بدلکر اور شب کے وقت تشریف لیگئے وہاں پہونچکر غربا کی مجلس میں جاکر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقعہ پر موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امرا کی خاطر و مدارات کی جا رہی ہے اسی طرح غربا کا بھی اعزاز و اکرام کیا جا رہا ہے۔ بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اس خادم کو چونکہ اسکا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں موجود ہیں۔ اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اسلئے اس خادم نے حضرت شیخ کو بالکل نہ پہچانا۔ یہانتک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں تشریف لے آئے اسکے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے۔ انھوں نے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمھارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں اس نے عذر کیا کہ جب سب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے تو کس طرح پہچانتا۔ فرمایا تم کو ہمارے

اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی۔ اگر تم کو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم ہم کو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔

حضرت اقدس تھانوی نے اپنی تالیف السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیہ میں چند واقعات حضرت کے تحریر کئے ہیں جنمیں سے دو قصے یہاں نقل کرتا ہوں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت شیخ عبد القدوس دہلی میں آئے ہوئے تھے۔ شیخ حاجی عبد الوہاب بخاری جو کہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے عالم اور صاحب حال تھے۔ انھوں نے اپنی لکھی ہوئی تفسیر کو شیخ کے پاس بھیجدیا۔ شیخ نے اس کو کھولا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی طہارت کے متعلق جو آیۃ ہے وہ نظر پڑی۔ اس مقام پر شیخ عبد الوہاب نے لکھا تھا کہ نبی کی تمام اولاد خاتمہ سے بخوف ہے اور ان کا خاتمہ یقیناً بالخیر اور اچھا ہوتا ہے۔ شیخ عبد القدوس نے اس کے حاشیہ پر لکھا کہ یہ مضمون مذہب اہل سنت والجماعۃ کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کر دیا۔ وہاں اس مسئلہ میں بہت دنوں تک علماء میں گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر جو کچھ شیخ عبد القدوس نے فرمایا تھا اسکو سب نے برقرار رکھا۔

ایک مرتبہ امام مسجد وقت پر نہ آئے اور ان کے بھتیجے شیخ عبد الغنی آگے بڑھے اور امامت کی۔ الذین اور انعمت کے درمیان کچھ ان سے وقفہ ہو گیا۔ شیخ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ سے فرمایا کہ نو عمروں کو منع کرنا چاہیئے کہ امامت نہ کریں اور لوگوں کی نماز فاسد نہ کریں۔ کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہوتا ہے کہ اسکے درمیان میں قطع کرنا درست نہیں ہے اور وقفہ

اس کے درمیان میں جائز نہیں۔

صلبی اولاد آپ کی روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ نسبی اولاد بھی کامل اکمل تھی۔ ساتؔ صاحبزادے تھے جو باکمال و اہل فضل تھے۔ یہ حضرات دہلی میں تعلیم پاتے تھے اور جب والد کی زیارت کے اشتیاق میں حاضری کی اجازت چاہتے تو حضرت شیخ اس خیال سے کہ طالب علمی میں حرج ہوگا خود ہی دہلی تشریف لیجایا کرتے تھے۔

وفات شیخ رکن الدین صاحبؒ نے لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ گیارہ۱۱ جمادی الاخریٰ ۹۴۴ھ دوشنبہ کو حضرت کو تپ و لرزہ شروع ہوا جمعہ کے دن کم ہوگیا جس کیوجہ سے نماز اطمینان سے پڑھی اسکے بعد پھر شروع ہوگیا۔ مرض الموت کی حالت میں عبادت میں کسی قسم کا تفاوت پیدا نہیں ہوا۔ باوجود اسکے کہ تحویت کامل طور پر تھی۔ ایک رات ستّر بار تازہ وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی۔ آخیر میں وضو کیلئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی۔ رکوع و سجدہ اشارہ سے کیا اور نویں دن سہ شنبہ کے روز نماز کی حالت میں رحلت فرمائی۔ شیخ اجل آپکا سال وفات ہے۔ بعض لوگوں نے ۹۴۵ھ بھی لکھا ہے۔ حضرت کی عمر چھیاسی۸۶ سال کی ہے جسمیں سے پینتیس۳۵ سال ردولی شریف قیام رہا۔ ۸۹۶ھ میں عمر خان کاشی جو سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے ہے اسکی استدعا و اصرار کی درخواست پر شاہ آباد میں تشریف لائے اور پینتیس۳۵ ہی سال وہاں بھی مقیم رہے۔ ۹۳۲ھ میں ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں گنگوہ قدم رنجہ فرمایا اور چودہ۱۴ سال وہاں قیام فرمایا۔

گنگوہ اس وقت دو حصوں پر منقسم ہے ایک شہر کے نام سے مشہور ہے، دوسرا حصہ سرائے کے نام سے شہر کی غربی جانب میں ہے۔ یہ حصہ اس وقت بالکل جنگل تھا جہاں شیخ نے آکر قیام فرمایا اور اس ہی وقت یعنی غالباً ۹۳۰ھ سے اس حصہ سرائے کی ابتدائی آبادی ہے۔ اس ہی سرائے میں سلسلہ چشتیہ کے ارکان ثلثہ یعنی (حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی) آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت کے وصال میں اور بھی اقوال ہیں۔ بعض نے بست وسوم جمادی الثانی ۹۴۴ھ اور بعض نے ۹۴۰ھ یا ۹۴۵ھ یا ۹۲۵ھ بھی لکھا ہے۔ مگر ارجح قول ۹۴۴ھ ہی کا ہے۔

خلفاء حضرت کے خلفاء کی مقدار بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مشاہیر ان میں سے یہ ہیں۔ شیخ بھورو، شیخ عمر، شیخ عبد الغفور اعظم پوری، شیخ رکن الدین، شیخ عبد الکبیر مشہور بہ بالا پیر۔ یہ ہر دو حضرات حضرت کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کے فرزند ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری جنکا ذکر آئندہ آنیوالا ہے۔ [۵]

(۲۹) شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسری رح

آپ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ فاروقی النسب ہیں۔ وطن آپ کا بلخ تھا۔ آپ کے والد قاضی محمود علماء میں تھے۔ صاحب

[۵] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، افاضات یومیہ، السنۃ الجلیلۃ، حق السماع

نزہتہ الخواطر نے آپ کے والد محترم کا نام "محمد" تحریر کیا ہے۔ آپ کی ولادت بظاہر ۸۹۴ھ ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرما لیا تھا۔ اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر تدریس و افتا میں مشغول ہو گئے تھے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ طاعت عبادت نوافل اوراد و وظائف اور پابندی اوقات آپ میں خاص طور سے پائی جاتی تھی۔

اتباع سنت میں بھی آپ کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کیلئے بمنزلہ عادت ثانیہ کے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ بیمار ہوئے دوا پیش کیگئی۔ اس وقت آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں بیٹھنے پر خادموں سے فرمایا مجھے اٹھا کر زمین پر بٹھا دو۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی۔ جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی۔ اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت و سریر پر کوئی چیز کھائی ہو۔

ریاضت و مجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا، لیٹے رہتے تھے مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت اور بشاشت لوٹ آتی تھی۔ اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اکثر مکاتیب آپ کے نام بڑے پر حقائق ہیں۔

بیعت و ارادت

آپ کی ابتدائی بیعت کا واقعہ بھی پر لطف ہے۔ آپ چونکہ علوم ظاہریہ کے امام تھے۔ اسلئے ایک مدرسہ میں تعلیم فرماتے تھے۔ طلبار کا مجمع رہتا تھا۔ کچھ لوگ حضرت شیخ گنگوہی سے بیعت تھے،

حضرت وہاں تشریف لیگئے۔ مولانا جلال کو بھی علم ہوا۔ ان مریدین سے کہا کہ سنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں (غلبہ حال کو ناچنے سے تعبیر کیا) ان سے ہمارا سلام کہدینا۔ کسی وقت موقع ہوا تو میں خود بھی آؤں گا۔ خدام نے سلام پہنچا دیا حضرت شیخ نے جواب سے سرفراز فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کہدینا کہ وہ پیر خود بھی ناچتے ہیں دوسروں کو بھی نچاتے ہیں اتفاقاً ایک روز ندائے غیبی نے حضرت شیخ کو مژدہ سنایا کہ مولانا جلال کو تمہیں بخشدیا۔ انکو اپنے حلقہ میں لے آؤ۔ اسکے امتثال کیلئے حضرت شیخ مدرسہ تشریف لیگئے۔ وہاں طلبہ کا مجمع مولانا کو احاطہ کئے ہوئے تھا۔ جب درس سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں حضرت نے فرمایا کہ میں وہی ناچتا پیر ہوں۔ یہ فرما کر حضرت نے ایک تیز نظر سے توجہ ڈالی جس کی بنا پر مولانا کے علوم سب زائل ہو گئے اسپر مولانا نے بڑی الحجاو معذرت کی تو حضرت نے تشفی اور علوم حقیقی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح چند توجہات کے بعد حضرت کو اشغال کی تعلیم فرمائی اور خلوت و مجاہدہ کا امر فرمایا۔ کچھ دنوں بعد مولانا پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہونے لگا اور اپنے احوال کی حضرت کو اطلاع کرتے رہتے۔ حضرت شیخ اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے۔ استغراق کا غلبہ آپ پر بھی بہت تھا۔

کرامات

صاحب کرامات تھے ایک مرتبہ ایک مرید کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ پہلے زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جس پر نظر کرتے تھے، وہی صاحب کمال ہو جاتا تھا۔ حضرت شیخ اس خطرہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ

اب بھی ایسے شخص موجود ہیں یہ فرما کر ایک تیز نگاہ سے دیکھا وہ مرید تین دن تک بیہوش رہے اور اسکے چند روز بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ تک جب انکی وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ ہر شخص کو اس بار کے اٹھانیکی طاقت نہیں ہوتی یہ بیچارہ بھی اسکی طاقت نہ رکھ سکا۔

تھانیسر میں ایک میلہ ہوتا ہے جسمیں لاکھوں ہندو جمع ہوتے ہیں۔ حضرت نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہیں، عرض کیا کہ حضرت یوں تو ان کا یہ ایک مذہبی میلہ ہے لیکن اسمیں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کا باعث ہے وہ یہ کہ ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے اسمیں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین میں غوطہ لگاتا ہے، یہاں غوطہ لگاتا ہے اور وہاں نکلتا ہے۔ اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ سنکر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے مگر کون بول سکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں اسکا گھر کرتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لیجا کر اسکے گھر کرنے کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا۔ جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا، غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہو گیا۔ آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھدیا۔ اب جوگی صاحب نہیں نکلتے۔ وہ وہیں زمین کے اندر دھنس گیا اور مر گیا اور حضرت اپنا کام کر کے چلے آئے۔

ارشاد الطالبین آپ کی تصنیف ہے اسمیں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں "عاشق لوگ کشف و کرامات کے درپے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا سارا اہتمام

عبادت، زہد، تقویٰ کیلئے ہوتا ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ (یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے موتوا قبل ان تموتوا)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جاہل صوفیاء راستہ سے پھسل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مشائخ صوفیاء کے کلام سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ ان مشائخ کا کہنا ہے کہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے اسلئے محروم ہوتے ہیں کہ اصول چھوڑ بیٹھتے۔ اور اصول یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رعایت کرے۔

وفات حضرت شیخ نے چودہ[۱۴] یا بائیس[۲۲] یا پچیس[۲۵] ذی الحجہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ بروز جمعہ پچانوے[۹۵] یا چھیانوے[۹۶] سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور صاحب نزہۃ الخواطر کے قول کے مطابق ان کی وفات ۹۶۹ھ میں ہوئی۔ [۵]

(۲۰) شیخ نظام الدین العمری التھانیسری رح

ابن شیخ عبدالشکور علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے۔ علوم معرفت واسرار ورموز کے علاوہ کیمیا وغیرہ کے علوم بھی حاصل تھے۔ اسی وجہ سے حاسدین کو آپکے ساتھ بغض وعداوت زیادہ تھا۔ اور اکبر بادشاہ کے یہاں بار بار آپکی طرف سے

---

[۵] - خزینۃ الاولیاء، ملفوظات، انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، افاضات یومیہ، نزہۃ الخواطر جلد رابع۔

شکایات پہونچائی جاتی تھیں۔ اکبر نے دو مرتبہ آپ کو ہندوستان سے باہر بھیجدیا تھا۔ اول مرتبہ حرمین شریفین کیطرف روانہ کیا۔ حضرت شیخ اس سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ تو دوبارہ ماوراالنہر کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں پہونچکر حاسدین پیدا ہوئے اور والی بلخ سے لوگوں نے شکایات شروع کی اس نے بھی شیخ کے اخراج کا ارادہ کیا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں منع فرمادیا۔ خواب کا دیکھنا تھا کہ حد درجہ معتقد ہوکر مرید بن گیا۔ آپ کو خرقہ اجازت حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری سے ہے آپ حضرت کے بھتیجے اور داماد بھی تھے آپ کے والد شاہ عبدالشکور بھی حضرت شیخ سے مجاز تھے۔ علوم اسرار و حقائق اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپکے ملفوظات اکثر خدام تحریر کرلیا کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ علوم ظاہری آپ نے پڑھا نہیں تھا بلا تحصیل ہی کمال حاصل تھا۔ نفی اثبات اور ذکر بالجہر آپنے شب و روز کیا ہے۔ ایک مہینہ تک اسقدر سخت مجاہدہ کیا ہے کہ بعض کے قول کے موافق حجرہ کے دروازہ پر اینٹ کھینچ لی تھی اور اندر ہی مہینہ بھر تک رہے۔

شیخ کی کرامت سے نماز کے وقت ملائکہ بصورت جسمیہ حاضر ہوتے تھے۔ انکے ساتھ امام بنکر باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت شیخ سے چھ ماہ کی اجازت لی تھی کہ یا مطلوب حاصل ہوگا یا اگر مقدر میں نہیں وہیں مر جاؤنگا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسم ذات ایک سانس میں نوے مرتبہ سے ابتدا۔ کرکے روزانہ حسب تحمل ترقی کرتے رہو چنانچہ ایک سانس میں تین سو اور بعض کے نزدیک چار سو تک کے آپ عادی ہوگئے تھے۔ ابھی ایک ہی مہینہ گذرا تھا کہ تجلیات

خاصہ کا ظہور ہوا۔ زیادہ تخلیہ کی ضرورت نہیں رہی تھی اسلئے حضرت شیخ نے منع فرما دیا۔ اور ارشاد و تلقین خلق اللہ کا امر فرمایا چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین نے اپنے تمام خلفاء مریدین کو اپنی حیات ہی میں حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما دیا تھا۔ حضرت شیخ نے ان کی تعلیم و تلقین فرمائی اور ہندوستان میں اپنی نیابت کیلئے شیخ ابو سعید گنگوہی رح کی تکمیل فرمائی جس شخص پر نظر فرماتے تھے ایک ہی وہلہ میں صاحب شہود ہو جاتا تھا اسی وجہ سے بعض لوگوں نے ولی تراش نام رکھ لیا تھا۔

آپ صاحب اولاد تھے۔ سب سے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد سعید بلخ سے پھر دوبارہ ہندوستان آئے اور اپنے وطن مالوف قصبہ تھانیسر میں قیام اختیار فرمایا۔ ان کے چھوٹے بھائی شیخ عبد الحئی کرنال میں مقیم ہوئے اور باقی صاحبزادگان بلخ ہی میں مقیم رہے۔

تصانیف حضرت شیخ صاحب تصانیف بھی تھے شرح سوانح غزالی، لمعات کی دو شرحیں مکی و مدنی، ریاض قدسی، تفسیر نظامی، رسالہ حقیقت، رسالہ بلخیہ، وغیرہ آپ کی تصانیف سے ہیں۔

وفات حضرت شیخ کی وفات آخر رجب سنہ ۱۰۲۴ھ یا ۳۵ھ یا سنہ ۳۶ھ میں ہے اور مزار بلخ میں ہے۔ آپ کے مشاہیر خلفاء میں صاحبزادہ شیخ عبد الکریم اور سید علی غواص جو بلخ میں قائم مقام ہوئے اور حضرت شاہ ابو سعید جنھوں نے گنگوہ میں نیابت فرمائی اور شیخ اللہ داد قاضی ساطع ہیں۔[۵۱]

۵۱۔ خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

(۳۱) شاہ ابو سعید نعمانی النوشیروانی گنگوہی قدس سرہ

آپ نسباً نعمانی ہیں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ نور تھا، آپ کی والدہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ اولاً کچھ دنوں سپہ گری میں آپ نے ملازمت کر لی تھی۔ لیکن ابتدا ہی سے غلبہ عشق الٰہی حاصل تھا کچھ دنوں اخفار کرتے رہے اسکے بعد حضرت شیخ جلال الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ حضرت شیخ اپنے ضعف و پیری کیوجہ سے اپنے خدام وغیرہ کو حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما چکے تھے اسلئے شیخ ابو سعید کو بھی شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما دیا لیکن حضرت شیخ چونکہ بلخ تشریف لیگئے تھے اسلئے آپ تنہا صدمہ مفارقت سے بیحد رنجیدہ رہتے تھے اور طول مفارقت کے رنج میں اشغال وغیرہ بھی سب چھوٹ گئے۔

بلخ کیلئے روانگی

اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے جدامجد حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کے روضۂ مبارک پر حاضر تھے۔ کہ شیخ کی خدمت میں بلخ حاضری کی ترغیبی ندا سنی اور اسی طرح تین دن تک سنتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کی امداد و اعانت سے پا پیادہ (پیدل) بلخ حاضر ہوئے۔ وہاں شیخ پیران کی حاضری وغیرہ منکشف ہو چکی تھی اور اپنے دادا پیر شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کیطرف سے بعض ہدایات بھی آپ کے متعلق منکشف ہو چکی تھیں اسلئے وہ امتثالاً للامر استقبال کیلئے تشریف لیگئے کہ سلطان بلخ

بھی ہمراہ تھے اسلئے کر وہ خود شیخ کے معتقد تھے جیسا کہ تحریر کیا جاچکا۔

وا پسی پر احترام و اکرام کیا اور اس پر متنبہ فرمایا کر وہ ندا اور یہ سب امداد تمھارے جد امجد کی تھی شیخ نے حسب ہدایت کشف تین دن تک خوب خاطریں کیں اور حق ضیافت ادا فرمایا۔

جب کئی دن ہو گئے تو شاہ ابو سعید نے عرض کیا کہ حضرت میں گنگوہ سے بلخ تک پیادہ چلکر دعوتوں کے لئے نہیں آیا۔ فرمایا صاحبزادے پھر جو خاص مطلب ہو وہ بیان فرمائیے۔ کہا میں تو وہ دولت لینے آیا ہوں جو آپ میرے گھر سے لائے ہیں بس یہ سنتے ہی شیخ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا صاحبزادے اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان وشوکت رخصت کرو اور آج سے حمام کی خدمت تمھارے سپرد ہے۔ جاکر حمام جھونکو اور نقیب خانقاہ سے فرمایا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح، شام دیدیا کرو اور فرمایا کہ جب تک ہم اجازت نہ دیں اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آؤ۔ نہ ذکر بتلایا نہ شغل بس نماز روزہ کرتے اور حمام جھونکتے رہے۔ اسی حالت میں ایک عرصہ گذر گیا۔ اسکے بعد حضرت شیخ نے بھنگن سے فرمایا کہ آج کوڑا ابو سعید کے سر پر ڈالدینا، بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شاہ ابو سعید نے غصہ سے فرمایا کہ نہ ہوا گنگوہ جو آج تجھے حقیقت معلوم ہو جاتی۔ بھنگن نے عرض کر دیا کہ ابو سعید نے یہ کہا تھا۔ فرمایا ارے ابھی تو خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے۔ گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی۔ ابھی اور حمام جھونکیں چنانچہ اور عرصہ گذر گیا۔ پھر دوبارہ بھنگن کو وہی حکم دیا۔ چنانچہ اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ اس دفعہ شاہ ابو سعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر تیز نظروں سے گھور کر دیکھا۔ شیخ نے یہ حال سنکر فرمایا

کہ ابھی تو کسر باقی ہے چنانچہ ایک عرصہ تک اور یہی خدمت جاری رہی اس کے بعد پھر وہی حکم ہوا۔ بھنگن نے پھر ایسا ہی کیا کہ سارا کوڑا کرکٹ شاہ ابوسعید کے سر پر ڈال دیا۔ اس وقت شاہ ابوسعید کا نفس بالکل مل دل گیا تھا۔ کوڑا جو گر گیا تھا وہ اپنے اوپر ڈالنے لگے۔ بھنگن نے جاکر شیخ سے یہ حال عرض کیا تو فرمایا الحمد للہ اول قدم تو طے ہوا۔ واقعی یہ تکبر ہی راستہ میں حائل ہوتا ہے یہ نکل جائے تو پھر بہت جلد طریق طے ہو جاتا ہے۔

اس ریاضت کے بعد شاہ ابوسعید کو اتنی اجازت ملی کہ شیخ کی مجلس میں آجایا کریں اور باتیں سنا کریں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ذکر تعلیم کیا گیا۔ ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات و کیفیات طاری ہوئیں تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابوسعید میں عجب پیدا ہو گیا۔ تو فوراً سب ذکر و شغل چھڑا دیئے۔ اور کتوں کی خدمت سپرد کی وہ شکاری کتے تھے۔ ایک دن شاہ ابوسعید ان کو جنگل لیگئے۔ راستہ میں کوئی شکار نظر آیا۔ جس کو دیکھ کر کتے اسکے پیچھے دوڑے۔ شاہ ابوسعید بھی کچھ دور تک زنجیر کو تھامے ہوئے ان کے ساتھ دوڑتے رہے۔ آخر کہاں تک دوڑتے۔ تھک گئے۔ اور وہ شکاری کتے مضبوط اور قوی ان کے قابو سے باہر ہو گئے۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو میرے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ جائے اور کتے بھاگ جائیں تو شیخ ناراض ہوں گے۔ آپ نے زنجیر کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور کچھ دیر تک اسطرح دوڑے آخر کار تھک کر گر گئے۔ اب یہ حال ہے کہ کتے بھاگے جارہے ہیں اور یہ ساتھ ساتھ گھسٹتے ہوئے جارہے ہیں۔ کہیں ڈھیلو نیں سر لگتا ہے کہیں کانٹوں سے بدن زخمی ہوتا ہے۔ اسی حالت میں ان پر غیبی

فضل ہوا کہ ایک تجلی خاص ان کے اوپر ہوئی جس کی لذت نے تمام تکلیف کو بھلا دیا ادھر حضرت شیخ کو یہ حالت منکشف ہوئی اور انھوں نے خدام سے فرمایا کہ اسوقت ابو سعید پر فضل ہو گیا۔ اور ایک خاص تجلی سے حق تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا جاؤ جنگل سے انھیں اٹھا لاؤ خدام تو ادہر دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدین اولیاء پر شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القدوس کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا نظام الدینؒ تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہیں لی تھی۔ یہ ایک محبت آمیز عتاب تھا جس سے سلطان نظام الدین کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ اب جو شاہ ابو سعید سامنے آئے ہیں تو سلطان جی نے ان کو محبت سے سینہ سے لگایا۔ اور پھر ذکر و شغل میں لگا دیا۔ اور خاطر مدارات ہونے لگی۔

شاہ ابو سعید کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق تھا کہ وہی تجلی پھر ہو۔ روز آرزو کر کے اسکے مشتاق رہتے۔ جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایکدن حبس دم کر کے بیٹھ گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک وہ تجلی نہ ہوگی سانس نہ چھوڑونگا چاہے دم نکل جائے کیونکہ ایسی زندگی سے مر جانا ہی اچھا ہے۔ چنانچہ کئی گھنٹے تک سانس روکے بیٹھے رہے بالآخر وہ تجلی ہوئی اور اسکی مسرت میں سانس اس زور سے چھوٹا کہ پسلی پر ضرب پہنچی اور ٹوٹ گئی۔ اسی وقت غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جسمیں چمچہ کے اندر کوئی دوا تھی وہ ان کے منہ میں لگا دیگئی اسکے کھاتے ہی پسلی فوراً جڑ گئی۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ چوزہ کا شوربا چند روز تک پینا انھوں نے یہ حالت دور ہو جانیکے بعد شیخ سے یہ قصہ عرض کیا۔ شیخ نے فوراً چوزہ کا

انتظام کر دیا اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے۔

بالآخر شیخ نے تکمیل کے بعد اپنا نائب بنا کر گنگوہ واپس کیا۔ آپ واپسی کے بعد گمنامی میں ایک عرصہ تک رہے۔ لیکن شیخ محمد صادقؒ کی بیعت کے بعد سے آپ کی طرف رجوعات زیادہ ہوگئیں۔

وفات ۲۰ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۹۴۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور گنگوہ میں مزار ہے آپ کے مشاہیر خلفاء یہ حضرات ہیں۔ شیخ محمد صادق گنگوہیؒ، شیخ ابراہیم رامپوری، شیخ خواجہ محب اللہ الہ آبادی (جن کا ذکر ہمارے شجرہ میں ہے) شیخ ابراہیم سہارنپوری، شیخ خواجہ پانی پتی رحمہم اللہ اجمعین[۱]

(۳۲) مولانا شیخ خواجہ محب اللہ الہ آبادی

آپ کا وطن اصلی صدرپور تھا۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد جب علوم حقیقت کے مشتاق ہوئے تو دہلی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سلسلہ صابریہ میں آج کل شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کے یہاں بازار تکمیل گرم ہے وہاں جاؤ اس بنا پر گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔

مقصود کی تکمیل آپ حضرت شیخؒ کے ممتاز خلفاء میں ہیں۔ بیعت کو چند ہی روز گذرے تھے کہ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ

[۱] ملفوظات انوار العاشقین، تعلیم الدین، البدائع۔

فرمایا کہ محب اللہ آؤ تمھیں مقصود تک پہنچاؤں یہ فرمایا اور فوراً تکمیل فرمادی۔ بعض خدام نے جو ایک زمانہ سے پڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت یہ خدام ایک عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں انکی طرف حضرت نے التفات نہیں فرمایا یہ نو وارد جنکی حاضری کو کچھ بھی زمانہ نہیں ہوا آپ نے انکی تکمیل فرمادی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اسکے بعد ان کو نصیحت فرمائی کہ ہر شخص کا یکساں حال نہیں ہوتا۔ بعض لوگ محتاج بڑے مجاہدوں کے ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی مشقت میں تجلیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اجازت پر خود مولانا کو یہ خیال ہوا کہ میں اسکا اہل نہیں ہوا ہوں لیکن اجازت کے ساتھ وہ توجہ حضرت شیخ کی ہوئی کہ خود مولانا نے فوراً عرض کیا کہ حضرت اس سے زائد کا مجھ میں تحمل نہیں۔ بس کیجئے، بس کیجئے۔

خلافت کے سات طریق

کہا جاتا ہے کہ خلافت کے طرق سبعہ[۱] یعنی اصالۃً، اجازۃً، اجماعاً، وارثاً، حکماً، تکلفاً، اویسیۃً میں سے اس اخیر طریقہ سے حضرت مولانا کو خلافت عطا ہوئی۔ اجازت کے بعد آپ

ف۔ اصالۃً یامر الٰہی شخصے را خلیفہ کند و بسمی خلافت الٰہی، اجازۃً برضا و رغبت خود کند و این متداول است و بسمی رضائی، و اجماعاً قوم بعد فوات شیخ وارثی یا مریدی را خلافت دہند و بسمی قبرائی ولا یعتبر عند المشائخ وارثاً آنکہ شیخ بمردو وارثی کہ قابل این او نبود بگذاشت ولا یعتبر الا بامرہ فی الباطن وحکماً بامر الحاکم کہ کسی را قائم مقام شیخ کند و بآیۃ اطیعوا اللہ الآیۃ معتبر است و تکلفاً بسفارش جماعت باشد و اویسیۃ آنکہ تربیت بروح غیر باشد ۱۲

دہلی اور اسکے بعد اپنے اصلی مکان صدر پور تشریف لیگئے۔ لیکن وہاں کچھ دنوں قیام کے بعد آپ نے اپنے لئے الہ آباد کا قیام پسند فرمایا۔ وہاں حضرت سے عام فیض خلق اللہ کو ہوا آپ کے سلسلہ میں علمار زیادہ تر داخل ہوئے ہیں۔

الہ آباد میں بیس سال فیض رسانی کے بعد نو رجب ۱۰۵۷ھ یا ۱۰۵۸ھ بروز پنجشنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہوا۔ اور الہ آباد ہی میں مزار ہے۔[۱]

(۳۴) مولانا شیخ سید محمدی اکبر آبادی

چودہ شوال ۱۰۲۱ھ میں آپ کی پیدائش ہے، آپکی تاریخ کسی نے لکھی ہے۔

قطعہ

در جہاں آفتاب پیدا شد ۔۔۔ ذرہا در ہوائش شیدا شد
سال تاریخ جلوہ اش بوجود ۔۔۔ قدوۃ الکاملین ہویدا شد

آپ نسباً سید تھے آپ کا ابتدائی زمانہ آزادی کے ساتھ گذرا ہے۔ آپکے والد شیخ عیسیٰ ہرگاہی اکثر تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت زیادہ تنبیہ فرمائی تو کچھ ایسی کارگر ہوئی کہ اسی وقت سے علوم کا شوق پیدا ہوا اور علوم ظاہر کی تکمیل کے بعد علوم باطنیہ کا شوق ہوا اور خواجہ محب اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل معارف شروع کی، چودہ سال شیخ کی خدمت میں رہے اور ہر طرح

---

[۱] - انوار العاشقین، تکمیل الدین، وغیرہ۔

کی خدمت انجام دی۔ حضرت شیخ کے آپ کے بارے میں نہایت مبارک کلمات بشارت کے ہیں جو ایک مرید کیلئے نہایت خوش قسمتی ہے۔ اس دوران میں صرف ایک مرتبہ والد صاحب کی زیارت کیلئے اپنے وطن ہرگام ضلع سیتاپور تشریف لیگئے۔

آپ سیاحت کے شوقین تھے اکثر سفر کرتے تھے۔ اکبرآباد کے بعد اہل امروہہ کی درخواست و اصرار پر کچھ دنوں وہاں قیام کیا اسکے بعد کچھ دن اکبرآباد اور کچھ دن امروہہ قیام فرمانے کا معمول بنگیا تھا اور آخر میں امروہہ ہی کو وطن بنالیا تھا۔ اہل کمال کے لیئے حاسدین اکثر پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ عالمگیر کے دربار میں حاسدین نے کچھ شکایات مولانا کی پہنچائیں اور انکو وقیع اور خطرناک ثابت کیا۔ عالمگیر نے زیارت حرمین کا حکم فرمادیا۔ ۱۰۹۰ھ میں آپ وہاں تشریف لیگئے۔ اور پانچ سال بعد ۱۰۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔ اس سفر میں اہلیہ محترمہ بھی ہمراہ تھیں اسی سفر میں شاہ محمد مکی اور شاہ محمد مدنی پیدا ہوئے جیساکہ آگے آرہا ہے۔ لیکن اس سے فراغت کے بعد جب واپسی ہوگئی تو پھر حاسدین کو تاب نہ ہوئی، اور دوبارہ ایسی ہی خطرناک خبریں پہونچائیں کہ عالمگیر نے آپ کو اورنگ آباد کے قید خانہ میں محبوس کیا اور اسی حبس کی حالت میں تین۳ رجب ۱۱۰۷ھ کو آپنے اس دارالمحن کو الوداع کہا۔ آپ کا تابوت اکبرآباد (آگرہ) پہونچایا گیا اور وہیں محلہ موتی کٹرہ میں مزار ہے۔ ع۔ قطب زمان رفت سوئے لامکاں۔ یہی مصرعہ تاریخ وفات ہے۔[۱]

۱۔ انوار العاشقین، تعلیم الدین ۱

(۴۳) شاہ محمد مکی جعفری

آپ نسباً سید اور اپنے مرشد شاہ محمدی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی پیدائش چونکہ مکہ میں ہوئی اسلئے محمد مکی کے نام سے مشہور ہیں۔ شجرات میں شاہ عضد الدین ورشاہ محمدی کے درمیان آپ کا واسطہ ملتا ہے۔ لیکن مقاصد الصادقین جو خود شاہ عضد الدین ہی کی تصنیف ہے اسمیں تحریر فرماتے ہیں کہ ایں بندہ جرعہ نوش جام آں ساقی خاص و عام پیر مرشد حقیقی شیخ محمدی است۔ ایسے ہی اور بھی کتب تواریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ شاہ عضد الدین کو بلا واسطہ شاہ محمدی سے اجازت حاصل ہے جیسا کہ تعلیم الدین میں بھی حضرت تھانوی نے لکھا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس مقام میں ہمارے خاندان کے شجروں میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض میں شیخ محمد حامد شاہ اور عضد الدین کے درمیان محمد مکی بھی مندرج ہے اور بعض میں صرف شاہ حامد کا نام ہے اور تاریخ سے ثبوت ملتا ہے کہ شاہ عضد الدین کو خلافت شاہ محمد سے بلا واسطہ حاصل ہے اور اسکا تقاضہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ کیونکہ لازم بگڑی ہوئی ترتیب فوت ہوجاتی ہے مقصود کی تحقیق نخبۃ التواریخ امروہہ سے نکالی ہے کہ شاہ محمدی اور شاہ محمد حامد دونوں بھائی ہیں۔ شاہ محمد حامد کو ارادت اور خلافت اپنے بھائی سے حاصل ہے اور شاہ محمدی کے حرمین شریفین میں دو لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ شاہ محمد مکی جنکا ذکر اس خانہ میں مقصود ہے، اور دوسرے روشن محمد مدنی دونوں نے ارادت اور

خلافت اپنے باپ سے حاصل کی اور شاہ حامد سے ایک لڑکا عضد الدین پیدا ہوا۔ جن کا ذکر ابھی اسکے بعد کے خانہ میں آرہا ہے۔ انھوں نے بھی خلافت اپنے چچا شاہ محمدی سے حاصل کی اور اپنے باپ سے بھی فیوض حاصل کیئے۔ شاہ محمدی اور شاہ عضد الدین کے درمیان فصل کے نہ ہونے کی توجیہ ظاہر ہے اور وہ خلافت کا بلا واسطہ حاصل ہونا ہے اور فصل کی توجیہ یہ ہے کہ شاہ حامد سے فیض پہنچا شاہ عضد الدین کو اور ان کو چھوٹے بھائی شاہ سے حاصل توجیہ یہ ہے کہ ان کا فیض حاصل کرنا ہے اپنے باپ شاہ محمدی سے جنکا ذکر منقول ہوا۔ اور شاہ عضد الدین نے فائدہ حاصل کیا ہے ۔ اپنے بھائی اور اپنے چچا شاہ محمد مکی سے جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ لہذا روایات اور شجرات سب موافق اور مطابق ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اسلیئے احتمالاً یہ توجیہ ممکن ہے کہ شاہ عضد الدین کو اجازت بلا واسطہ حاصل ہے۔ لیکن تکمیل فیوضات کچھ اپنے چچازاد بھائی شیخ محمد مکی سے بھی ہوئی ہو آپ کے دوسرے بھائی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے انکا نام روشن محمد مدنی ہے آپ کا اسم گرامی بعض جگہ سعد محمد مکی بھی نظر پڑا ہے۔ آپ کی تاریخ وسن وفات عامہ کتب تاریخ میں نہیں ملتا البتہ بعض شجرات میں گیارہ رجب لکھی ہے۔ مزار بھی شجرات میں امروہہ لکھا ہے" [1]

---

[1] - تذکرہ تعلیم الدین"

(۳۵) شاہ عَضُدالدین رح

ابن شیخ حامد بن شیخ عیسیٰ ہرگامی۔ آپ کا جدی وطن ہرگام ہے۔ لیکن آپ کے والد حضرت شاہ محمد حامد ۱۰۷۳ھ میں امروہہ آگئے تھے اور یہیں عقد کرکے مستقل قیام فرمالیا تھا اور یہیں پر شاہ عضدالدین چوبیس رجب ۱۰۷۷ھ میں پیدا ہوئے اسلئے امروہی مشہور ہیں۔

آپ حسب تحریر خود اپنے مرشد شیخ محمدی کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ آپ کا وطن امروہہ ہے۔ آپ کو علوم ظاہریہ اور فنون عربیہ میں کمال درجہ حاصل تھا۔ اتقاء زہد وغیرہ کے اول ہی سے عادی تھے۔ حکام کے اصرار کے باوجود وظیفہ قبول نہیں فرمایا۔ ایک جوگی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ آپ کے محاسن اور کمالات دیکھ کر آپ پر فریفتہ ہوگیا اور کیمیا آپ کے سامنے بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔ پہلے تو آپ نے اسکے قبول کرنے سے انکار فرمایا بعد میں اس کے شدید اصرار پر قبول کرلیا اور اس بیل کو جس میں وہ رکھی ہوئی تھی خانقاہ کے ایک طاق میں رکھوا دیا۔ کئی سال بعد وہ جوگی دوبارہ آیا تو دیکھا کہ وہ اسی طرح طاق میں رکھی ہے اور بہت سا گرد و غبار اس پر پڑا ہے اس نے عرض کیا کہ حضرت اسکو کام میں نہیں لایا گیا۔ فرمایا کہ ضرورت ہی پیش نہ آئی اسکے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑھکر اکسیر موجود ہے۔ اسکے دریافت کرنے پر فرمایا وہ قناعت ہے۔

نسباً سید تھے آپ کا مشہور اسم گرامی سید عزالدین ہے۔ مگر بعض لوگوں نے تحقیق کیا کہ آپ کا اصل نام عضدالدین ہے اسلئے اب وہی مشہور ہوگیا۔

عربی، فارسی کی تکمیل کے بعد آپ کو سنسکرت سیکھنے کا خیال پیدا ہوا اور باوجودیکہ اس زبان کو ہر شخص بالخصوص مسلمانوں کو سکھانے میں شدید بخل سے کام لیا جاتا تھا مگر پھر بھی بڑی مشکلات سے مختلف پنڈتوں سے اسکو سیکھا، اجودھیا اور بنارس وغیرہ کے اسفار اسکے لئے اختیار کئے اور اسمیں مہارت حاصل کر کے ایک رسالہ سنسکرت زبان میں تالیف فرمایا۔

آپ کو تعبیر رویا میں بھی کمال حاصل تھا۔ کشوف بھی آپ کو اکثر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے علم تعبیر رویا آپ سے حاصل کرنیکی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ علم کا سیکھنا مشکل ہے اسلئے کہ ہر نوع کا احاطہ دشوار ہے۔ کشف کا واقعات سے تعلق ہے۔ اسکے بعد یہ خود حاصل ہو جاتا ہے۔ مقاصد العارفین آپکی تصنیف ہے جو علم عقائد و سلوک میں بہترین رسالہ ہے اس کتاب کی تالیف ۱۱۲۴ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن یہ رسالہ طبع نہیں ہو سکا۔

سنا ۲۶ رجب ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۲ھ میں تقریباً سو سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ امروہہ میں جامع مسجد کے قریب مزار ہے۔ [۱]

(۱۴۶) شیخ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ

ابن الشیخ محمد حافظ، نسباً شیخ صدیقی ہیں اور مسلکاً شاہ عضدالدین کے

---

[۱]۔ انوار العاشقین، تعلیم الدین، رسالہ دارالعلوم دیوبند بابتہ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ تذکرۃ الکرام!!

خلفاء میں ہیں - امروہہ محلہ قریشیان میں چودہ رجب ۱۰۸۴ھ چہار شنبہ کو پیدا ہوئے - آپ کی چار سال کی عمر تھی کہ کسی تقریب میں آپ کے گھر شاہ محمدی تشریف فرما ہوئے وہاں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ضعف بصارت کی وجہ سے قبلہ کا رخ صحیح نہیں معلوم کر سکے کسی قدر دوسری جانب رخ ہو گیا آپنے اپنی چار سالہ عمر میں شیخ کو قبلہ رخ کیا حضرت نے نماز سے فارغ ہو کر آپکی والدہ کو بشارت دی کہ یہ لڑکا کسی وقت میں مقتدائے قوم ہو گا اور ایک قوم کی دستگیری کریگا - دادا پیر کے یہ الفاظ کچھ ایسے قبولیت سے وابستہ تھے کہ اسی وقت سے اسکے اثرات آپ میں ظاہر ہونے لگے -

تعلیم و تربیت آپ کے والد نے تھوڑے دنوں میں مکتب میں بٹھا دیا - وہاں ابتدائی فارسی، مفرح القلوب اور گلستاں کے دو باب تک پڑھی تھی ایکدن اتفاق سے حافظ جی کسی کام کو گئے تھے کہ ایک سائل پہنچا - سب بچے اس سے خائف ہو گئے اس نے اپنے منہ سے کوئی چیز چبا کر آپ کو کھلائی آپ نے خوف کیوجہ سے اسکو کھا لیا اسکا گلے سے اترنا تھا کہ ایک وحشت طبیعت پر چھا گئی - آدمیوں سے نفرت آبادی سے گھبراہٹ ہو گئی - جنگل کو نکل گئے - اور اسی طرح صحرا نوردی میں رہا کرتے - امروہہ کے نواح میں تیم شاہ

لہ - کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہ کے شجرہ میں یہ شعر کہ -

بعبد الہادی ہادی پیراں امیر دستگیر و دستگیر دستگیراں

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے "

نام کے ایک مجذوب رہتے تھے۔ اتفاقاً ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ تمھیں ساتھ رکھوں چنانچہ ایک مدت انکے پاس رہے اس کے بعد انھوں نے کہا کہ میرا سلسلہ پانچ واسطوں سے شیخ نظام الدین بلخی تک پہنچتا ہے اسلئے تم شاہ عضد الدین سے بیعت ہو کر کمالات حاصل کرو۔ ان کی ہدایت کیموافق آپ امروہہ جاکر حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔ ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب شیخ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ اسی حالت میں عرض کیا کہ حضرت دعا فرمادیں کہ جادو یہ رحمت مجھے قید خودی سے نجات دیدے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ علائق تو نگار کھے ہیں اور ہم جیسے بننے کی حرص کرتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت میری تو تمنا یہ ہے کہ حضرت کی گلی کے کتوں جیسا ہی بن جاؤں۔ یہ الفاظ حضرت کو پسند آگئے۔ اور کچھ دنوں بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہو کر حضرت شیخ کی نیابت فرمائی۔ آپ صاحب کشف تھے۔ لوگوں کے خطرات پر اکثر مطلع ہوتے تھے اور فوراً جواب دیا کرتے تھے۔

تنہائی پسند ہونیکی وجہ سے زیادہ تر صحرا میں رہتے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ آبادی میں رہکر خلق اللہ کو نفع پہنچاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں آبادی میں تشریف لائے اور موضع براہی میں رہنا شروع کیا۔ گاہ بگاہ دوسرے مقامات پر بھی تشریف لیجاتے رہے جسکی وجہ سے امروہہ کا قیام بہت کم ہو گیا تھا۔ خدام اور مریدین کی نہایت کثرت تھی ان کے اصرار سے مختلف مواقع پر تشریف لیجاتے اور کثرت سے لوگ بیعت ہوتے اور استفادہ کرتے۔ آخیر میں قاضی شیخ الاسلام وغیرہ اکابر شہر بریلی کے اصرار پر بریلی تشریف لائے۔ اور موضع

کھائی کھیڑہ (متصل بریلی) میں قیام فرمایا۔ اسی عرصہ میں طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور مورخہ چار رمضان المبارک ۱۱۹۵ھ بروز جمعہ کو انتقال فرمایا۔ تدفین بریلی میں عمل میں آئی۔ لیکن بعد رمضان آپ کی نعش مبارک کو لوگوں نے وہاں سے امروہہ منتقل کر دیا اور اب امروہہ میں شیخ ظہور اللہ صدیقی کے باغ میں مزار ہے۔[۱]

(۳۷) شاہ عبدالباری صدیقی رح

ابن شیخ ظہور اللہ۔ اپنے جد بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادی سے مجاز ہیں۔ یہ دو بھائی تھے چونکہ حضرت شیخ نازک مزاج تھے اور دوسرے بھائی متحمل المزاج تھے۔ اسلئے حضرت شیخ شاہ عبدالباری رح سے مجاہدات کم کیا کرتے تھے اور دوسرے بھائی سے زیادہ مجاہدہ کراتے تھے۔ بارہ سال کی عمر سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت شیخ آپ کو لباس بھی عمدہ پہننے کو ارشاد فرماتے تھے لیکن آپ کا ظاہر گو فقراء کا سا نہیں ہوتا تھا لیکن قلب عشق حقیقی سے ہر وقت لبریز رہتا تھا، ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپکی نیابت فرمائی اور تشنگان سلسلہ چشتیہ کو سیراب فرمایا۔ درود کے وقت اکثر ہستی کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

وصال اٹھائیس محرم یا گیارہ شعبان ۱۲۲۶ھ بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ اپنی دادی کے مزار کے قریب ہی مزار ہے۔ ایک صاحبزادہ شیخ رحمان بخش نسبی سلسلہ میں اور سات خلفاء۔ شاہ عبدالرحیم، سید حاتم علی، شاہ حاجی

---

[۱] انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

خیرالدین، حافظ کلن شاہ، شیخ محمد منیر، شیخ امین اللہ، حافظ عبدالکریم، روحانی سلسلہ میں چھوڑے۔

(۳۸) حضرت الشیخ الحاج عبدالرحیم رح

آپ سادات افغانستان سے ہیں۔ طلب معرفت ہی میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اول سلسلہ قادریہ میں شاہ رحم علی صاحب ساڈھوروی سے (جن کا مزار پنجلاسہ میں ہے) نسبت و کمالات حاصل کیے۔ اسکے بعد سلسلہ چشتیہ میں حضرت شاہ عبدالباری رح کے دربار میں تکمیل نسبت فرمائی۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت غازی فی اللہ مولانا سید احمد صاحب شہید مجدد ساکن رائے بریلی کے دست مبارک پر بیعت جہاد فرمائی۔ گاہ بگاہ حضرت سید صاحب و حضرت حاجی صاحب ہر دو حضرات باہم مراقب ہوتے تو ایک کی نسبت کا اثر دوسرے پر محسوس ہوتا۔ حضرت حاجی صاحب سکر کی حالت میں اور حضرت سید صاحب خندہ ہوتے۔ کسی شخص نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے دریافت کیا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے۔ کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرادیا اسکے جواب میں فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہیں آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔

ستائیس ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ میں حضرت سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب

نور اللہ مرقدہما کے ساتھ سکھوں کے جہاد میں شہید ہوئے۔ پنجتار ملک ولایت میں آپ کا مزار بتایا جاتا ہے"۔ ۵ل

(۳۹) حضرت اقدس میاںجی نور محمد صاحبؒ

آپ کی پیدائش ۱۲۰۱ھ میں اپنے وطن قصبہ جھنجھانہ ہی میں ہے۔ والد محترم کا نام سید جمال محمد علوی تھا۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی رح کی اولاد میں ہیں۔ نسباً آپ علوی ہیں۔ حضرت میاںجی صاحب کا سلسلۂ نسب نویں پشت پر شاہ عبدالرزاق سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے نسبت طریقت حاصل فرمائی۔ اپنی حالت کا نہایت اخفاء فرماتے تھے۔ قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون کے قریب ہے، وہاں ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ حتی کہ تیس سال تک تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی۔ آپ کے غایت اخفاء نے کسی پر کمال ظاہر نہیں ہونے دیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خواب نے حضرت کے حال کو ظاہر کر دیا۔ اسکی صورت یہ پیش آئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے اس کمال اشتیاق و اضطراب کیوجہ سے جسکی تفصیل خود انکے بیان میں آنیوالی ہے اسقدر بے چین تھے کہ تاب نہیں رہی تھی۔

ایک خواب

اسی دوران میں حضور اقدس سید الکائنات فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی لیکن اس حالت میں کہ غایت رعب سے

ل۵۔ انوار العاشقین، تعلیم الدین، ارواح ثلاثہ"۔

قدم آگے نہیں بڑھتا تھا کہ حضرت کے جد امجد ملا بلاقی صاحب آئے اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر حضور میں پیش کر دیا حضور اقدس نے حضرت کا ہاتھ شیخ المشائخ قدوۃ السالکین حضرت میاں جی صاحبؒ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس وقت تک حضرت میاں جی صاحبؒ سے کسی قسم کا تعارف نہیں تھا اسلئے خواب کے بعد سے ایک سخت حیرت تھی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو کہاں تلاش کروں اسلئے اضطراب و حیرت میں کئی سال گذر گئے کہ حضرت مولانا قلندر صاحبؒ جو حضرت کے استاذ بھی تھے انھوں نے یہ اضطراب دیکھ کر کہا کہ تم قصبہ لوہاری میں جاؤ اور حضرت میاں جی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو شاید تمھارا اضطراب کم ہو۔ استاذ کی اس رہنمائی کے بعد حضرت نے سواری وغیرہ کسی چیز کے انتظار میں تاخیر کو گوارا نہ فرمایا اور فوراً ہی لوہاری کا راستہ اختیار فرمایا۔ شوق و جذب اس زور سے لیجاتا تھا کہ پاؤں میں آبلے بھی پڑ گئے بالآخر آستانہ پر حاضر ہوئے اور جیسے ہی نظر اقدس روحانی باپ پر پڑی تو وہ خوابی چہرہ جس کی ایک زمانہ سے تلاش و فکر تھی، ملا۔ اور ان امیدوں کے چمن پر گویا مایوسی چھا گئی تھی پورا ہونیکا دور آگیا۔ حضرت شیخ کی زیارت کرتے ہی فوراً قدموں پر گر گئے۔ حضرت شیخ نے فوراً قدموں سے سر اٹھایا اور سینہ مبارک سے لگا کر فرمایا کہ تمھیں اپنے خواب پر کامل وثوق ہے۔ یہ حضرت شیخ کی پہلی کرامت تھی جس نے حضرت کے قلب کو اور بھی زیادہ مائل کر دیا۔

حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی نے حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت جہاد فرمائی تھی اور حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قاصد کے ذریعہ جھنجھانہ سے

بلوا کر حضرت سید صاحب سے بیعت کرایا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت قاصد پیغام لیکر جھنجھانہ پہنچا ہے تو حضرت میانجی صاحب اپنی گھوڑی کا رسہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسے پانی پلا رہے تھے۔ یہ پیغام سنتے ہی حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور گھوڑی بھی اس کیفیت سے متاثر ہو کر لوٹ پوٹ ہونے لگی اور اسکا برا حال ہوگیا قاصد کا پیغام سن کر آپ سہارنپور تشریف لے آئے اور حضرت سید صاحب کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ پنجاب بالاکوٹ پہونچکر حضرت سید صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب نے آپ کو وطن لوٹ جانیکا حکم فرمایا چنانچہ آپ لوہاری واپس تشریف لے آئے اور پھر مستقل لوہاری میں قیام فرمایا۔

آخری ایام

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے بیان فرمایا کہ ایک دن بعد نماز جمعہ میرے حضرت لوگوں کو وصیتیں فرمانے لگے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت سفر آخرت کرنیوالے ہیں نہایت رنج و غم کا اظہار کیا، حضرت سے عرض کیا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارے گھر میں دولت ہے جب چاہیں گے مستفیض ہو جائیں گے۔ ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میرے بہت سے احباب تمھارے پاس موجود ہیں ان کو میرا قائم مقام سمجھو۔ حافظ محمد ضامن صاحب شہید کو تو حضرت نے مجمع عام میں اپنا خلیفہ بنایا اور ضمناً ہم لوگوں کو بھی مجاز کیا اسکے بعد حضرت بیمار ہوئے آپنے فرمایا کہ مجھے میرے وطن جھنجھانہ لے چلو۔ جب لوہاری سے آپ کا میانہ (پالکی) تھانہ بھون پہنچا تو میانہ مسجد کے پاس ٹھہرایا۔ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ حضرت نے فرمایا تم مجرد تھے اور حافظ ضامن صاحب و شیخ محمد صاحب عیالدار۔ میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و مشقت لونگا مشیت باری سے چارہ نہیں، پیام سفر آخرت آگیا ہے۔ جب

حضرت نے یہ کلمات فرمائے تو یہ پالکی کی پٹی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا۔

بالآخر اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں چار ۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ کو جمعہ کے روز آپ نے انتقال فرمایا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ)

اور حسب وصیت امام ناصر الدین محمود شہید سبزواری کے احاطہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجیو کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انھوں نے کہا کہ افسوس کسی ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انکی ہڈیاں نکالکر دوسری جگہ دفن کرتا اور پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ مزار کے سرہانے اعلیٰ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل چند اشعار کا کتبہ نصب کرایا تھا جو اب بھی وہاں موجود ہے۔

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ — مسکن و ماویٰ ہے جس جا آپ کا
مولد پاک آپ کا ہے اور مزار — اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
متصل اس شہر کے اے نیک نام — ہے عجب دلچسپ درگاہ امام
سید محمود ہے نام شریف — ہے مکان بس عجیب و بس لطیف
پاس اس مرقد کے قبلہ رخ بنی — ہے زیارت گاہ میرے پیر کی
اس جگہ ہے مرقد پاک جناب — سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ و شاب

جس کو ہوئے شوق دیدارِ خدا - انکے مرقد کی زیارت کو وہ جا
یعنی پیر و مرشد و مولا مرے - حضرت نور محمد نیک پے
اعتقادِ دل سے جو جاکے وہاں - اس پہ سب اسرار باطن ہوں عیاں
دیکھتے ہی اسکے مجھ کو ہے یقین - اسکو ہو دیدار رب العالمین
کرتے ہی زیارت مزار پاک کی
ہوویں ظاہر اس پہ اسرار خفی

حضرت میانجی صاحب کا مزار خام ہے۔ البتہ اسکا حلقہ پختہ ہے۔ بعض لوگوں نے چاہا تھا کہ اسکو ایک ہاتھ سے بھی اونچا کر دیں مگر آپ نے کسی کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے ایسا نہ کرو۔ ایک ہی ہاتھ اونچا رہنے دو۔

کشف و کرامات اور متفرق واقعات

(۱) حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ کسی بات پر لوہاری کے پٹھانوں سے ناراض ہوکر جھنجھانہ تشریف لیگئے۔ حضرت کے لوہاری سے تشریف لیجانیکے بعد لوہاری کے اکثر محلوں میں آگ لگ جاتی تھی جس سے وہاں کے پٹھانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ آگ کا لگنا حضرت میانجیو کی خفگی کا باعث ہے، چنانچہ وہ لوگ جھنجھانہ پہنچے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوشامد کے بعد آپ کو واپس لوہاری لے آئے۔ حضرت کی مراجعت کے بعد پھر کبھی آگ نہیں لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد پٹھانوں نے آکر عرض کیا کہ آپکے تشریف لیجانیکے بعد آگ کیوں لگتی تھی؟ فرمایا مجھے اور تو کچھ معلوم نہیں ہاں کبھی کبھی لوہاری سے محبت کے باعث اسکا ماحول

اور محلے یاد آتے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت والا دوڑا ہوا حضرت کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا آپ نے اپنی ٹوپی اتار کر اسکو دیدی کہ جلدی سے جاکر اسے آگ میں ڈالدو۔ اس نے جاکر وہ ٹوپی آگ میں ڈالدی اور آگ فوراً بجھ گئی۔

(۳) ایک مرتبہ بارش کی سخت ضرورت تھی چند حضرات حضرت میاںجیو کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے، حضرت اس وقت گنا چوس رہے تھے۔ جب انھوں نے حضرت سے بارش نہ ہونے کی شکایت اور دعا کی درخواست کی۔ ان آنے والوں میں سے جو صاحب حضرت سے انتہائی بے تکلف تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم میرے چوسے ہوئے یہ چھلکے چوس لو تو انشاءاللہ بارش ہو جائیگی۔ ان صاحب کو پہلے تو گنے کے چھلکے چوسنے میں کچھ پس و پیش سی ہوئی مگر ان آنے والے دوسرے لوگوں کے اصرار پر ان صاحب نے حضرت کے چوسے ہوئے چھلکوں کو جوں ہی چوسا فوراً ابر رحمت اٹھا اور خوب زور شور سے بارش ہوئی۔

(۴) حضرت میاںجی صاحب کے بازار تشریف لیجانے پر تمام دوکاندار تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور سلام کرتے۔ ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے اسپر اعتراض کر دیا کہ تم لوگ کیوں کھڑے ہوتے ہو ہرگز مت کھڑے ہوا کرو۔ ان دوکانداروں نے کہا اچھا آئندہ سے ہم ادب و تعظیم کے طور پر کھڑے نہ ہوا کرینگے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً حضرت میاںجیو بازار کی طرف تشریف لیگئے وہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔ سب سے پہلے وہ معترض شخص ہی حضرت کی تعظیم کیلئے کھڑا ہوا اور اسکے ساتھ ہی سب دوکاندار حسب قاعدہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت کے گذر جانے کے بعد ان دوکانداروں نے

پوچھا کہ تم تو اعتراض کیا کرتے تھے اور حضرت کی آمد پر سب سے پہلے تم ہی کھڑے ہو گئے
وہ شخص کہنے لگا کہ میں مجبور تھا کیونکہ جس وقت حضرت تشریف لائے تو مجھے محسوس
ہوا جیسے کوئی شخص میرا کان پکڑ کر مجھ سے کہہ رہا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ۔

(۵) ایک دن کرنال کے ایک عالم نے حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے
عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کے قصے سنتے ہیں کہ لوگوں نے انکے ہاتھ پاؤں، سر، دھڑ
سب الگ الگ ٹکڑے ہوئے دیکھا۔ فرمایا میرے ماموں صاحب تذکرہ کر رہے تھے کہ
میں حضرت میانجی صاحب کی خدمت میں ایک دن دوپہر کے وقت گیا، حجرہ شریف
بند تھا مگر کواڑ اچھی طرح لگے ہوئے نہیں تھے۔ کواڑ جو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت
میانجی صاحب کا دھڑ سارا الگ الگ ہے۔ مجھے دیکھتے ہی سب اعضا باہم مل گئے اور
حضرت میانجیو اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے کہ کسی سے نہ کہنا۔

(۶) ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں ایک بڑا سادھو حاضر ہوا اور حضرت کا
مہمان بنا۔ جب جانے لگا تو بولا میاں ہماری زنبیل میں تھوڑی سی اکسیر ہے یہ لیجئے
میرے پاس روپے پیسے کی کمی معلوم ہوتی ہے اپنے کام میں لے آنا۔ حضرت نے فرمایا
مجھے اسکی ضرورت نہیں اپنے پاس ہی رہنے دو۔ اس نے پھر کہا حضرت نے اس بار بھی
انکار فرما دیا۔ جب اس نے تیسری بار بھی کہا تو حضرت نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے
دیوار پر مارا اور فرمایا یہ دیکھو، سادھو نے اس طرف دیکھا تو ساری دیوار سونے کی
ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بولا اب تو میاں جی مجھے اسکی ضرورت نہیں۔

(۷) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی کا ارشاد ہے کہ جو حالت منصور پر
کچھ مدت کیلئے آئی تھی جس میں وہ انا الحق کہہ اٹھے تھے یہی کیفیت حضرت میانجی نور محمد صاحب

پر چھ[6] ماہ تک مسلسل رہی لیکن کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ برابر بچوں کی تعلیم میں مشغول رہے۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت کے پاس کچھ لوگ آئے اور اصلاح کے طالب ہوئے۔ اس وقت حضرت بچوں کو پڑھا رہے تھے ان کو یہ فرما کر کہ "پڑھتے رہو" ان لوگوں کو ساتھ لیکر اپنے حجرہ میں تشریف لیگئے اور اندر سے کواڑ لگا لیے اور توجہ دینی شروع کی۔ ایک بچہ نے جو ان پڑھنے والوں میں سب سے بڑا تھا کواڑ کے جھروکہ میں سے دیکھا کہ حضرت آنکھیں بند کرکے خدام کی طرف منہ کیے ہوئے بیٹھے ہیں اس نے آکر بچوں سے کہا کہ میاںجی صاحب تو اس طرح کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس لڑکے نے اپنی مجلس منعقد کی اور پیر بنا اور بقیہ سب بچے آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے۔ حضرت میاںجی صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس لڑکے کو بٹھا کر آنکھیں بند کرنیکا حکم دیا۔ لڑکے نے تعمیل ارشاد کی مگر بہت جلد گھبرا کر بیتاب ہوگیا اور چلا گیا وہ لڑکا جب انتہاء عمر کو پہنچا تو اس نے بتلایا کہ جب میں میاںجی کے سامنے آنکھیں بند کرکے بیٹھا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے دل پر چنگاری رکھدی گئی جس کو میں برداشت نہ کرسکا اسکے فوراً بعد وہ چنگاری اٹھالی گئی۔ مگر اب تک یہ حال ہے کہ اندھیری رات میں مکان کے اندر سردی کے زمانہ میں لحاف کے اندر منہ رکھنے کے باوجود باہر جو نیم کا درخت ہے اسکے پتوں کی حرکت تک معلوم ہوتی ہے۔[1]

(۹) حضرت اقدس گنگوہی یا حضرت اقدس نانوتوی نور اللہ مرقدہما سے روایت

---

[1] ۔ ۵ ، ۶ ، ۸ روایۃ حضرت مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی۔

ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میانجی
نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی
سن لیجئے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا
اختلاف ہے اور اسلئے اسکا سننا خلاف احتیاط ہے لہٰذا میں اسکے سننے سے معذور
ہوں۔۔۔ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اس قصہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ
اس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلاف سے بھی احتیاط کی، یہ تھے صوفی صافی
کہ شریعت کا اسقدر پاس فرماتے تھے۔

(۱۰) حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے جس وقت تھانہ بھون کی پیر محمد والی
مسجد میں قیام فرمایا اس وقت وہاں سہ دری نہیں تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے
اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحب سماع
تھے مگر دنیا دار نہ تھے، سچے تھے، جب حضرت یہاں تشریف لائے تو انھوں نے اتنا
ادب کیا کہ خود اٹھکر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت
جوان تھے اور یہ بوڑھے ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے۔ حضرت
میانجیو نور محمد صاحب بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا
ان کی زمین ضبط ہو گئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میانجیو رح
کے پاس بھی وہ لوگ دعا کیواسطے حاضر ہوئے۔ حضرت میانجیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کیلئے ایک سہ دری بنا دو۔ میں
دعا کرونگا۔ انھوں نے سہ دری بنانیکا وعدہ کر لیا وہ مقدمہ الہ آباد میں جاکر
موافق ہو گیا جس کی اطلاع ایک خاص خط کے ذریعہ سے ہوئی انھوں نے حضرت

میاںجی صاحب سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت پوری سوری بتانے کی تو قوت نہیں آدھی بتادینگے۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی ہی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمھارے بعد پھر ضبط۔ پھر انھوں نے حضرت سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمھیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں۔

خلفاء و مجازین

حضرت میاںجی صاحب نوراللہ مرقدہ کی شان تربیت اور سرچشمۂ فیضان وعرفان ہونیکا اندازہ صرف اسی چیز سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلفاء کا عرفانی و روحانی مقام اتنا بلند تھا کہ ہر ایک اپنے وقت کا آفتاب و ماہتاب تھا اور وہ حضرات یہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب فاروقی تھانوی، حضرت شیر محمد خان لوہاروی، حضرت سید محمد امیر جھنجھانوی، حضرت برکت علی شاہ صاحب، حضرت حافظ ضامن صاحب چوبیس محرم الحرام ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں پیر کے روز ظہر کے وقت انگریزوں سے شاملی میں شہید ہوئے۔ تدفین تھانہ بھون میں ہوئی۔ مادہ تاریخ شہادت اس شعر سے نکلتا ہے۔ ؎

حوریں سب ملکر کہہ بولیں واہ واہ ... پیر کے دن خلد میں پیر آگئے۔

مولانا شیخ محمد تھانوی نے سات ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ بروز منگل بوقت دس بجے دن کے انتقال فرمایا اور وہیں عیدگاہ تھانہ بھون کے قریب سپرد خاک کردیئے گئے۔

ہمارے شجرہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا اسم سامی ہے۔ اس لئے اب انھی کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔ ؎۱

(۴۰) اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی

اعلیٰ حضرت فخرِ مشائخ شیخ العرب والعجم منبع الفیوض والحکم، مخزن الحقائق مجمع الدقائق حضرت حاجی صاحبؒ کا اصل اسم گرامی جو آپ کے والد ماجد نے رکھا تھا وہ امداد حسین تھا اور تاریخی نام ظفر احمد (۱۲۳۳) رکھا گیا تھا، لیکن مسند وقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ نے اپنی کرامت و فراست سے ہونہار لاڈلے کو خلعت کیلئے امداد الٰہی تجویز کر لیا تھا۔ اسلئے اسم باسمی ہونے کی مناسبت سے امداد اللہ کے ساتھ ملقب فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کرامت تھی کہ اسی لقب نے شہرت پائی۔ آنحضرت کے والد کا نام حافظ محمد امین بن شیخ حافظ بڈھا بن شیخ حافظ بلاقی بن شیخ عبد اللہ بن شیخ محمد بن شیخ عبد الکریم ہے۔

آپ کا نسب پچیس واسطوں سے حضرت ابراہیم بن ادہم پر جا کر ملتا ہے جو روحانی سلسلہ میں بھی آپ کے اجداد میں ہیں اور آخر سلسلہ میں انکا ذکر شریف آئیگا۔ یہ عام طور سے مشہور ہے لیکن حضرت تھانوی نے ترجیح الراجح میں یہ ثابت کیا ہے کہ فرخ شاہ فاروقی تو ہیں لیکن ان کے نسب میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نہیں ہیں۔ النور بابتہ رمضان وشوال ۱۳۴۳ھ میں انکے نسب کی تحقیق ہے۔

؎۱۔ انوار العاشقین، صحائف معرفت، بیس بڑے مسلمان، ارواح ثلاثہ، امداد المشتاق۔

حضرت فاروقی النسب اور حنفی المذہب طریقت و معرفت کے امام تھے۔ حضرت کی ولادت بائیس ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ یہ قصبہ سہارنپور سے تقریباً بیس ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ قصبہ حضرت کی ناہنال کا وطن ہے۔ حضرت کے دو بڑے بھائی تھے۔ ذوالفقار علی سب سے بڑے اور فدا حسین ان سے چھوٹے اور ایک آپ سے چھوٹے بہادر علی شاہ تھے اور ایک چھوٹی ہمشیرہ بی وزیر النساء تھیں۔

حضرت کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید کے آغوش میں دیدیئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ حضرت کی عمر ابھی سات ہی برس کی تھی کہ حضرت کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا حضرت کی والدہ کو چونکہ حضرت سے اس درجہ شفقت و محبت تھی کہ کسی کا بری نگاہ سے دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔ اسلیئے اس لاڈلے کیلیئے یہ وصیت فرمائی کہ میری اس وصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے میرے اس بچہ کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگاوے۔ اس وصیت کا پس ماندگان نے اسدرجہ لحاظ فرمایا کہ تعلیم وغیرہ کی طرف بھی کسی نے خاص اہتمام نہیں کیا۔ لیکن چونکہ حضرت کو ایک زمانہ میں مرجع الخلائق اور علوم باطنیہ کا سرتاج بننا تھا۔ اسلیئے ابتدا ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا اسلیئے باوجود کسی دوسرے کے زور اور تنبیہ وغیرہ نہ ہونیکے خود اپنے شوق سے حضرت نے کلام مجید حفظ فرمایا۔ اگرچہ موانع و عوارض کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ اسکی تکمیل میں رکاوٹ ہوتی رہی۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک شخص جو گنجینۂ معرفت بننے والا تھا وہ کلام اللہ جیسی اصل اصول اور چشمۂ علوم حقائق و دقائق ہوتے سے

اکتاجاتا تا۔ اسلئے رغبت اور اشتیاق بدستور بڑھتا رہا اور امداد الٰہی شامل ہوئی تو بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اسکی تکمیل ہوگئی۔ ۱۲۴۹ھ میں جبکہ حضرت کی عمر سولہ سال کی تھی مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا، وہاں مشائخ وقت سے علوم ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی اور کچھ ابتدائی کتب فارسی وعربی صرف ونحو ہونے پائی تھی کہ علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ ہر بندے سے جدا ہے جس شخص سے جو کام لینا ہوتا ہے اسی کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور ہر شخص کیلئے اس کے مناسب توفیق ہوتی ہے۔

ع بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا الخ

اسلئے قبل اسکے کہ علوم ظاہری سے فراغت ہو دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا اور اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ فرمائے حضرت شیخؒ شیخ المشائخ شاہ محمد آفاق صاحبؒ کے خلیفہ اور مسند وقت شیخ الحدیث شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے شاگرد اور داماد تھے۔ نیز حافظ الحدیث حاکم وقت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے بھی تلمذ کا فخر حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو چند روز ہی شیخ کی خدمت میں رہنے کی نوبت آئی تھی کہ شیخ کی طرف سے خرقہ واجازت سے مشرف ہوئے اب چونکہ صفائے قلب اور انوار کی کثرت ہوگئی تھی اسلئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور اقدس فخر عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا جذب نہ ہوتا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادی سے شروع فرمائی اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نانوتویؒ سے حاصل فرمائی۔

یہ ہر دو حضرات حضرت اقدس مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کاندھلوی مؤلف دفتر ہفتم مثنوی معنوی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ نیز مثنوی معنوی کو جس کے مخزن علوم معرفت ہونے سے کوئی اہل دل بے خبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ سے اور انھوں نے مولانا ابوالحسن صاحبؒ کاندھلوی سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت مفتی صاحب مذکور الصدر سے اخذ فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب نے عالم رویا میں خود حضرت مؤلف سے اخذ کی تھی اور دفتر ششم کے ختم کے مامور ہوئے تھے۔ مثنوی مولانا روم اول تو سب ہی کچھ ہے اور پھر اس قلب کیلئے جو پہلے ہی سے سب کچھ ہو چکا ہو اور پھر ظاہری سلسلہ تلمذ بھی ایسا ہی ملا ہو تو پھر حضرت حاجی صاحبؒ کو مثنوی میں جسقدر حظ حاصل ہو اس کا کیا پوچھنا۔ ؎ مرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے۔

حضرت نے مثنوی کا مطالعہ اپنا معمول قرار دے لیا تھا جس کی وجہ سے شوق و اضطراب روز افزوں جوش پر رہتا تھا اور ولولہ زور پر کہ اسی دوران میں حضور اکرم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا جسکا قصہ حضرت میانجی صاحبؒ کے حال میں مذکور ہو چکا۔ اسی خواب کی بنا پر حضرت سے بیعت ہوئے۔ کچھ ہی دن حضرت شیخ کی خدمت میں حلقہ نشین رہے تھے کہ خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان فرمایا اور مجاز و خلیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ حضرت یہ سخت امتحانی فقرہ سن کر رونے لگے۔ اور عرض کیا کہ محض محبوب حقیقی کی خواہش ہے۔ دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیئے، روحانی باپ نے یہ فقرہ سنا اور لاڈلے بیٹے کی اس علو ہمتی پہ آفریں فرمائی، اور بغل گیر فرما کر بیحد دعائیں دیں۔ یہ ہی سلسلہ فیض چلتا رہا کہ ۱۲۶۹ھ میں روحانی باپ کا سایہ

سر سے اٹھ گیا۔

اسکے بعد حضرت پر ایک جذب کا اثر ہوا اور اسمیں ایک تاثیر ایسی بڑھی کہ آبادی سے نفرت و وحشت ہونے لگی اور آبادی سے ویرانے کو چلے گئے، مخلوق سے نفرت ہوگئی اور پنجاب کے صحرا کو مسکن قرار دیا۔ سنت نبوی کے اتباع کے اشتیاق نے عبادات میں فاقہ کو بھی شعار کر دیا تھا۔ آٹھ آٹھ دن فاقہ کی حالت میں ایسے گذرتے تھے کہ ایک حبہ برابر چیز بھی حلق میں نہیں جاتی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ سخت مجبوری میں ایک شخص سے کچھ قرض مانگا اس نے باوجود اس کے پاس ہونیکے انکار کر دیا۔ اس وقت طبعی اثر کچھ حضرت پر ہوا مگر جیسا تھوڑی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ یہ تکون فاعل حقیقی کا تھا تو وہ تکدر مبدل بہ لطف ہوگیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد مبشرات کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک مرتبہ حضرت نے ایک خواب میں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کو دیکھا جو درحقیقت بشارت عطاء علم و ہدایت اور رزق وعطا کے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا نانوتوی کا مقولہ کہ حضرت حاجی صاحب تو عالم گر ہیں اسی کی دلیل ہے اور آپ حیات کی پیشکش کرنیکا قصہ جو اس میں درج فرمایا ہے وہ شاہد عادل ہے۔ بالآخر چھ ماہ تک یہ ہی صحرا نوردی رہی کہ ۱۲۶۰ھ میں حضور اقدس فخر الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا اور حضور کی طرف سے "تم ہمارے پاس آؤ" مژدہ ملا۔ یہ سننا تھا کہ مدینہ منورہ کے اشتیاق نے غلبہ پکڑا اور بالآخر آٹھویں ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو بندر لیس جو جدہ کے قریب کا بندرگاہ ہے وہاں اترے اور براہ راست عرفات پر تشریف لیگئے اور فراغت حج کے بعد حضرت شاہ اسحق صاحب مہاجر مکی وغیرہ حضرات کے

فیوضات سے متمتع ہوتے رہے، حضرت شاہ صاحب نے چند وصایا فرمائیں کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا اور قوت حرام و مشتبہ سے بچنا اشد ضروری ہے۔ لقمہ حرام و مشتبہ ضرور نقصان پہونچاتا ہے۔ نیز الم تعلم بان اللہ یریٰ کا مراقبہ بھی تعلیم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مدینہ پاک کی زیارت کے بعد ابھی واپسی ہند ضروری ہے۔ انشاء اللہ پھر انقطاع تعلقات کے بعد دوبارہ آنا اس وقت ٹھہرنا۔ حضرت سید قدرت اللہ صاحب بنارسی ثم المکی نے جو کرامات و خرق عادات میں مشہور تھے اپنے چند مریدوں کو ہمراہ فرما دیا کہ حضرت کو بحفاظت لیجاویں اور پھر ہمراہ ہی واپس لاویں، بالآخر اشتیاق دیرینہ پورا ہوا۔ قبہ خضرا کی زیارت کے بعد وہاں کے فیوض سے متمتع ہوئے۔ اسی دوران میں روضۃ من ریاض الجنۃ یعنی درمیان روضۂ اطہر اور منبر شریف کے مراقبہ کی حالت میں زیارت اقدس سے منور ہوئے اور عمامہ سر پر رکھا گیا مدینہ منورہ میں حضرت شاہ غلام مرتضیٰ صاحب جھنجھانوی ثم المدنی سے بھی اپنے اشتیاق قیام مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا، شاہ صاحب کا بھی یہ ہی مشورہ ہوا کہ ابھی چندے اور صبر کرو، پھر انشاء اللہ واپسی ہوگی۔ بالآخر وہاں سے واپسی ہوئی اور چند روز مکہ مکرمہ قیام کے بعد ہند کو مراجعت فرمائی۔ ۱۲۶۲ھ[1] میں ہند کی مراجعت کے بعد طالبین کا اصرار بیعت پر شروع ہوا لیکن ادھر سے اپنے انکسار اور تواضع کے ساتھ انکار، کہ اشارات غیبی نے ادھر مجبور کیا تو مجبوراً حضرت نے اخذ بیعت شروع فرمائی۔

ابھی چند ہی آدمی حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے کہ حضرت کی بھاوج

---

[1] مطابق ۱۸۴۶ء (ش)

کے اس خواب کی تعبیر کا وقت آیا کہ انھوں نے آنحضرت فخر الموجودات صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا تھا کہ اٹھ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا، انکے مہمان علماء ہیں، علماء کی جماعت میں سب سے اول حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز نے غالباً ۱۲۶۳ھ میں بیعت کی اور اسکے کچھ دنوں بعد حضرت اقدس فخر المتکلمین مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ نے بیعت کی۔

تعجب کی بات ہے کہ حضرت نانوتوی اعلیٰ حضرت کے پہلے سے معتقد تھے اور اس وقت تک حضرت گنگوہی کا حضرت حاجی صاحب سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا جیسا کہ خود حضرت گنگوہی کے تذکرہ میں آرہا ہے کہ سلم کے سبق کے ناغہ ہونے پر امام ربانی کا مقولہ کہ اچھے حاجی آگئے ہمارا سبق ہی بند ہوگیا اور اسپر حضرت نانوتوی کا یہ فرمانا کہ ہا ہا ایسا مت کہو یہ بہت بزرگ ہیں اور رحیان حنیں ہیں۔ نیز اعلیٰ حضرت کی طرف سے بیعت کی اجازت بھی حضرت گنگوہی کو پہلے ہے جو تھانہ بھون کے قیام میں ۱۲۶۶ھ میں اور حضرت نانوتوی کی اجازت اعلیٰ حضرت کے قیام مکہ کے دوران غالباً ۱۲۸۲ھ میں ہے۔

ان دونوں حضرات کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا۔ اور حضرات ذیل مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاندھلوی، مولوی محمد حسن صاحب پانی پتی، حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس اول مدرسہ دیوبند، حافظ محمد یوسف صاحب ابن حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی، مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری، مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری وغیرہ وغیرہ اکابر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ حضرت اقدس کے قلب میں جو کیفیات شوقیہ روز افزوں

ترقی پذیر ہوتی رہتی تھیں، انھوں نے ہجرت کا ولولہ حضرت کے ذہن میں پیدا کیا لیکن اکابر کا نقل و حرکت چونکہ تابع حکم ہوتا ہے اسلئے یہ اشتیاق دل ہی دل میں رہا کہ اتفاقاً ۱۲۷۶ھ میں غدر کا کریہ منظر پیش آیا اور مفسدین نے اپنی برأت اسمیں سمجھی کہ دوسروں کا نام بتلاؤ تاکہ ہم لوگ خیر خواہ سرکار شمار ہوں اور یہ گروہ چونکہ سرکاری درباری قصوں سے متنفر اور مسجد کے کونوں کا خوگر تھا نہ لسانیت کا عادی نہ قوانین سے واقف، نہ رشوت کی بھینٹ نہ فضول روپیہ پاس جسکے ذریعہ سے اپنی برأت ثابت کرے اور دوسروں کا جھوٹ جتلائے، اسلئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور اسی ذیل میں حضرت حاجی صاحبؒ نے بزبان حال یہ مصرعہ فرماتے ہوئے " جاتے ہیں تیرے کوچہ سے ظالم خفا نہ ہو- ہند کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا-

حضرت اقدس سے اس زمانہ میں کیا کیا کرامات صادر ہوئیں- ان کا یہ مختصر رسالہ نہ احاطہ کرسکتا ہے اور نہ وہ کچھ اعجوبہ ہیں- اہل اللہ کے یہاں کرامات کوئی مخصوص چیز ہوتی ہی نہیں ان کا ہر فعل کرامت ہی ہوتا ہے- اسلئے انکو ترک کرتا ہوں اگر کوئی شخص متمنی ہو تو کرامات امدادیہ، اکمالات امدادیہ مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی دیکھے اسمیں اگرچہ دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے ایک قطرہ ہے، لیکن مولانا کی تصنیف ہونیکی وجہ سے معتبر ضرور ہے- ایسے ہی شمائم امدادیہ جس سے زیادہ تر یہ مضمون لیا گیا ہے اسمیں بھی بعض کرامات و واقعات درج ہیں، ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جبہ مبارک حضرت حاجی صاحبؒ پہنے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ خواب ظاہر ہے تعبیر کا محتاج نہیں کہ آپ لباس شریعت و طریقت میں مستور رہیں۔ الغرض حضرت حاجی صاحبؒ براہ پنجاب روانہ ہوئے درمیان سفر میں حیدرآباد سندھ میں مزارات پر حاضری دیتے ہوئے براستہ کراچی مکہ مکرمہ پہنچے کچھ دنوں جبل صفا پر سیٹھ اسمٰعیل کی رباط میں قیام فرمایا اور اکثر اوقات خلوت کے ساتھ مراقب رہتے۔ اسی وجہ سے اہل مکہ سے زیادہ اختلاط کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ حج کے ایام میں تشنگان ہند کی حاضری پر ان کی شدت تمناؤں کیوجہ سے حضرت اکثر جلوہ فرماتے۔ اسی حالت میں کچھ عرصہ گذرا کہ اشارہ غیبی اس امر کی طرف متوجہ ہوا کہ عارف کو کسی سنت نبوی کا ترک نہیں کرنا چاہیئے اس لئے نکاح بھی ضروری ہے۔

حضرت کو یکسوئی کیوجہ سے ابتک نوبت اس امر کی نہیں آئی تھی لیکن اس اشارہ کی وجہ سے اکیس ۲۱ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۲ھ کو بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں مرحوم رامپوری سے جن کے والدین پہلے ہی الوداع کہہ چکے تھے بعوض ستر ۷۰ ریال فرانسی جو تقریباً ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ سے کچھ زائد ہوتا ہے اس مہر پر نکاح کیا۔ سنہ ۱۲۹۴ھ میں بعض خدام نے اصرار و الحاح کے ساتھ ایک مکان حارۃ الباب میں خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ ہر چند حضرت کا وہ متوالہ دل جو ہر وقت اپنے کو مسافر خیال کرتا تھا اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن خدام نے اصرار اس درجہ پر کیا کہ حضرت کو قبول فرمانا پڑا۔ حضرت حاجی صاحبؒ خلقۃً ہی ضعیف نحیف اور خفیف اللحم تھے۔ اس پر مجاہدات، ریاضات، اور تقلیل طعام و منام نے اور ان سب کے ساتھ سوز و عشق نے بدن کو ایسا گھلا دیا تھا کہ

آخیر زمانہ میں کروٹ بھی بدلنی دشوار ہو گئی تھی۔

حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے ملفوظات میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے ایک شاگرد مرید حافظ عبدالقادر صاحب کی روایت سے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں شب بیداری کا معمول ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ عشاء کے بعد حضرت اول چارپائی پر آکر لیٹ جاتے بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں۔ لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو مؤذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد میں مصلی بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شائد تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہوں۔ کیونکہ جب آنکھ کھلی تو حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہوں:

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن گر بدم ہم ستر من پیدا مکن

بالآخر چوراسی۸۴ سال تین۳ ماہ بیس۲۰ روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر بارہ۱۲ یا تیرہ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان صبح محبوب سے واصل ہوئے اور اہل دنیا کو مفارقت کا داغ دیا۔ جنت المعلےٰ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ اطاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

تصانیف

اعلیٰ حضرت کی یادگار کچھ تصانیف ہیں جو ابھی تک عام طور پر ملتی ہیں۔ اور قدماء مشائخ کی مولفات کی طرح ابھی تک بحمداللہ نایاب نہیں ہوئیں جن کے اسماء مع مختصر تعارف کے یہ ہیں۔

(۱) حاشیہ مثنوی مولانا روم۔ یہ مثنوی رومی پر فارسی زبان میں حاشیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں اس کے صرف دو حصے طبع ہو سکے باقی بعد میں طبع ہوئے۔

(۲) غذائے روح یہ ۱۲۶۴ھ میں تحریر کی گئی تھی۔ حضرت میاںجی نور محمد جھنجھانوی کا ذکر مبارک بھی اسمیں موجود ہے، یہ کتاب سولہ سو (۱۶۰۰) اشعار پر مشتمل ہے۔

(۳) جہاد اکبر۔ یہ رسالہ ۱۲۶۸ھ میں تالیف ہوا ہے۔ یہ دراصل کسی اور شخص کی فارسی نظم کا اردو ترجمہ ہے، جسمیں سترہ (۱۷) صفحات میں چھ سو اناسی (۶۷۹) اشعار ہیں۔

(۴) مثنوی تحفۃ العشاق۔ تیرہ سو چوبیس (۱۳۲۴) اشعار پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔

(۵) رسالہ درد غمناک۔ یہ کتاب پانچ صفحات کی ہے اور اسمیں ایکسو پچھتر (۱۷۵) اشعار ہیں۔

(۶) ارشاد مرشد۔ اس کتاب میں وظائف و مراقبات، اوراد، اور چاروں سلسلوں کے شجرات تحریر ہیں۔ سنہ تالیف ۳۰ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ۔ صفحہ ۱۶

(۷) ضیاء القلوب یہ فارسی میں ہے اسکو اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ نے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحبؒ کی درخواست پر ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی تھی اس کتاب کا تاریخی نام مرغوب دل ہے، حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں تحریر ہے کہ اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دو ثلث ضیاء القلوب کے میں نے ضائع کر دیئے اسمیں اشغال کے ثمرات درج تھے، کیونکہ مجھ کو الہام ہوا تھا کہ ان کا ظاہر کرنا

مناسب نہیں۔

(۸) وحدۃ الوجود، (۹) فیصلہ ہفت مسئلہ (۱۰) گلزار معرفت یہ اعلیٰ حضرت
کی یہ تالیفات اب کلیات امدادیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

چند متفرق واقعات

(۱) حضرت اقدس تھانویؒ نے کسی صوفی صاحب کی طرف سے نقل کیا ہے کہ
ہمارے پاس تو حاجی صاحب کے کامل ہونیکی یہ دلیل ہے کہ ان کی طرف علماء کثرت
سے رجوع ہیں اور زیادہ تر علماء کا فرقہ ہی صوفیہ کا مخالف ہوتا ہے۔ جب علماء معتقد
ہیں تو پھر کون مخالف ہوگا۔

(۲) حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مثنوی شریف کے سبق کے بعد روز دعا
ہوا کرتی تھی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا دعا مانگیں۔ فرمایا کہ یہ دعا مانگا کریں
کہ جو کچھ اسمیں لکھا ہے وہ ہمیں بھی حاصل ہوجائے۔

(۳) ایک مرتبہ کیرانہ کی کسی مسجد میں رہنے والے ایک نیک قصاب آدمی اعلیٰ
حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ خدا جانے
حضرت حافظ صاحب کا رتبہ بڑا ہے یا حضرت حاجی صاحبؒ کا۔ حضرت نے فوراً فرمایا
کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا بے ادبی ہے۔ خدا کو معلوم
ہے کہ اسکے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ سب سے حسن عقیدت رکھنا چاہیئے
تم کو اس تحقیق کی کیا ضرورت۔

(۴) حضرت مولانا محب الدین صاحب ولایتی حضرت کے مجاز تھے اور بڑے

صاحب کشف تھے۔ ایک دفعہ ان کو یہ خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے جس کے لیے کامل وضو کیا جائے۔ پھر دو رکعت ایسی پڑھی جائیں کہ ان میں حدیث النفس نہ ہو یعنی ان میں کوئی خیال نہ آوے۔ وہ عالم بھی تھے، انھوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔ لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں چنانچہ اسمیں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ خطرات اکثر آتے ہیں ان کو روکنے کیلئے انھوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اگر نظر منتشر ہوتی ہے تو عادتاً یکسوئی نہیں ہوتی اور ادھر ادھر کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ آنکھ بند کرنے سے ان کو یکسوئی ہو گئی اور کوئی خطرہ نہیں آیا۔ پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی کیا تشکل ہو گی متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی نہایت حسین و جمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ، آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو ان میں روشنی نہیں تھی ان کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔ رفع تردد کیلئے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ گو انھوں نے کوئی تفصیل اس کی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی۔ صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی پڑھی تھی۔ حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے دفع خطرات کیلئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی؟ انھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اسلیے یہ صورت نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ

زیادہ مقبول ہوتی۔

(۵) ایک دفعہ شریف مکہ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کیلئے آئی حضرت حاجی صاحبؒ نے شریف کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کیلئے آئی ہے تو ہمارا حصہ بھی ہمیں ملنا چاہیئے۔ چنانچہ وہاں سے تین آنہ کے پیسے حضرت کے حصہ میں آئے۔ اس وقت وہاں مولانا محمد منیر صاحبؒ نانوتوی بھی موجود تھے ان سے فرمایا کیوں جی! کیا تین آنہ پیسوں میں میرا کام چل جائیگا؟ لیکن ایک مصلحت کیوجہ سے میں نے یہ رقم خود درخواست کرکے منگائی ہے کیونکہ یہاں کا خاصہ ہے کہ جو ذرا استغنا کے ساتھ رہتا ہے اسپر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ مجھے یہاں رہنا ہے اور اپنی ساری عمر گذارنی ہے اس واسطے میں ذلیل ہوکر رہتا ہوں تاکہ استغنا کا شبہ نہ ہو۔

(۶) اعلیٰ حضرت کے پاس ایک جولاہہ آیا اور عرض کیا کہ میری لڑکی پر مولوی اللہ بخش کا خلل ہے۔ آپ چلیئے فرمایا میں عامل نہیں ہوں۔ اس نے بہت اصرار کیا، آپ تشریف لیگئے اس نے سلام کیا اور حضرت کی تشریف آوری پر شرمندگی ظاہر کی اور عرض کیا کہ اگر صرف اپنا نام لکھ کر بھیجدیتے تو میں چلاجاتا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ آپ کے سلسلہ والوں کو کبھی نہ ستاؤں گا۔

(۷) ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتلادیجیئے۔ کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

(۸) حاجی عبدالرحیم خادم خاص اعلیٰ حضرت کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت کے پاس کہیں سے سیاہ نری کا جوتہ ہدیہ میں آیا آپ نے ان کو مرحمت فرمادیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا عطیہ ہم خدام کیلئے سرفرازی و برکت ہے۔ مگر لوگ حضور کی خدمت میں اس غرض سے نذر پیش کرتے ہیں کہ حضور استعمال فرمائیں۔ سو اگر کچھ دن استعمال فرماکر مرحمت ہو جاوے تو ہم لوگ بھی سرفراز ہو جائیں گے۔ اور ان لانے والوں کو بھی خوشی ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جا باولے تو نہیں جانتا۔ انھوں نے دریافت کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی جب سے میں نے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے۔ سیاہ نری کا جوتہ پہننے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں۔ اسی طرح جب سے روضۂ مطہرہ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ صاحبہا کے پردے سبز رنگ کے دیکھے کیمخت کا جوتا نہیں پہنا۔

(۹) انھی حاجی عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میں نے مدت تک حضرت کی خدمت کی رات کو بھی دن کو بھی مگر کبھی پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا بلکہ پاؤں سمٹے رہتے تھے۔ بہت روز تک تو اس طرف التفات بھی نہیں ہوا۔ جب عرصہ دراز تک شاذ و نادر بھی پاؤں پھیلے ہوئے نہ دیکھے تب خیال ہوا کہ غالباً یہ امر قصداً ہے۔ آخر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے بھلا اسطرح سونے میں کیا نیند آتی ہوگی اور کیا آرام ملتا ہوگا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جا باولے تو آرام کو لیئے پھرتا ہے تو نہیں جانتا کہ اپنے محبوب کے سامنے پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے۔

(۱۰) کسی شخص نے اعلیٰ حضرت کی طرف سے ایک جعلی خط لکھ کر کسی امیر سے کچھ رقم

وصول کرلی۔ کسی نے حضرت کو اطلاع دیکر مشورۃً عرض کیا کہ ایسے شخص کو تنبیہ ہونا چاہیئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ بھائی مجھ سے دین کا تو کسی کو نفع نہیں ہوا۔ اگر میرے ذریعہ سے یہ مردار دنیا ہی کسی کو حاصل ہو جائے تو مجھ کو حق تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اسمیں بھی بخل اور اس سے بھی دریغ کروں۔

(۱۱) ایک بار اعلیٰ حضرت ایک مریدنی کو کوئی کپڑا تبرکا دینے لگے۔ حاضرین میں سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت کو بھی جو کہ آپکے خاندان میں ہے کوئی تبرک بھجوا دیجیے۔ آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد ہے۔ آپ نے نہایت ترش ہو کر فرمایا کہ کیا اولاد و ولادلیئے پھرتی ہو میرے کوئی اولاد نہیں۔ میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے۔

(۱۲) ایک بار اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے کسی نے ہندوستان سے کچھ روپیہ ایک دوکان کے ذریعہ سے مکہ معظمہ بھیجا۔ اس دوکاندار نے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپ کیلئے کچھ روپیہ ہندوستان سے آیا ہے۔ کسی خادم کو بھیجکر دوکان سے منگا لیجئے۔ حضرت نے نہایت استغنا سے جواب دیا کہ میں نے نہ ہندوستان سے روپیہ منگایا ہے نہ دوکان سے منگاؤں گا۔ جس خدا نے ہندوستان سے مکہ معظمہ پہنچا دیا وہ دوکان سے میرے پاس بھی پہنچا دیں گے۔ یہاں سے کوئی روپیہ لینے نہ آویگا وہ شخص یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور فوراً حضرت کی خدمت میں روپیہ بھیجدیا۔

(۱۳) اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے، ایک بار خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی گئی۔ تعجب ہوا کہ تنہائی میں کس بات پر ہنسی آئی، مزاج خوش پا کر

دوسرے وقت دریافت کیا۔ فرمانے لگے کہ اس وقت ہر شے میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی۔

ملفوظات وارشادات

(۱) فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھے اپنے رنگ میں سمجھتا ہے اور میں کسی رنگ میں نہیں ہوں میری مثال پانی کی سی ہے کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا اسی رنگ کا معلوم ہونے لگتا ہے۔

(۲) فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے اندر سب کچھ ہے بس جب سردی لگی تو کرۂ نار کا تصور کر لیا اور جب گرمی لگی تو طبقۂ زمہریر کا تصور کر لیا۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ خطرات جو لوگوں کو ستاتے ہیں تو وہ خطرات اگر دفع نہ ہوں تو دفع کرنے کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے بلکہ ان میں ہی قدرت الٰہی کا مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ اللہ اکبر وسواس کا بھی کیا سلسلہ ہے کہ دفع ہی نہیں ہوتا یہ سالک کے مناسب ہے کہ بس قدرت الٰہی کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے۔

(۴) الغیبۃ اشد من الزنا کے متعلق فرمایا کہ زنا گناہ باہی ہے اور غیبت گناہ جاہی۔ اور کبر شہوت سے اشد ہے اس پر حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ تو قافیہ بھی ہو گیا۔ فرمایا کہ ہمارے پاس تو ایسے ہی چٹکلے ہوا کرتے ہیں۔

(۵) ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے ہوا جو کچھ باطنی نفع ہوا۔ اسپر فرمایا کہ جو کچھ ہے تمہارے ہی اندر ہے جیسے نائی لاتا ہے خوان سر پر رکھ کر پھر اسمیں سے ایک رکابی اٹھا کر اس کو دیدیتے ہیں تو جو کچھ اسکو ملا وہ اسی کے پاس تھا۔ اسکے بعد فرمایا اگر تم یہی سمجھے جاؤ کہ شیخ ہی سے ملا ہے

ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔

(۶) فرمایا کرتے تھے کہ ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اسکے ذریعہ سے سب لطائف منور ہو جاتے ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمسؒ تبریز کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنھوں نے حضرت شمس تبریز کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسمؒ لسان عطا ہوئے ہیں۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے پاس تھا وہ میں نے حاضر کردیا میری طرف سے اب عام اجازت ہے کہ جس کو جہاں سے مقصود حاصل ہو وہ وہیں جاکر حاصل کرے میں اپنا مقید نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں لوگوں کے معتقد ہونے سے تنگ ہوگیا، خدا کی قسم دل سے چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے ملحد اور زندیق سمجھ کر چھوڑ دیں تاکہ میں فارغ ہو کر محبوب میں مشغول ہوں، تمہارے اعتقاد نے میرے اوقات کو خراب کر رکھا ہے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ دل مکہ معظمہ میں رہے اور جسم ہندوستان میں رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے اسکی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی گو اسکو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اس کو ذکر و شغل کرتے رہنا چاہیئے کہ خود تلقی کر کے آگے کو القا کرے ورنہ اگر خود کچھ نہ کریگا تو دوسروں کو کیا القا کریگا۔

(۱۱) ایک شخص نے شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس پر فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ ذکر میں لگے ہوئے ہو اور تم کو ذکر کی توفیق دیدی گئی

(۱۲) فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پیو تاکہ روئیں روئیں سے الحمد للہ نکلے۔

(۱۳) فرمایا کرتے تھے کہ اگر ریا سے بھی کوئی عمل کرتا ہو تو اسکو کرتا رہے ترک نہ کرے اول اول ریا ہوگی پھر عادت ہو جائیگی اور عادت سے عبادت ہو جائیگی۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ میں تو لوگوں کو اس نیت سے مرید کرتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا تو مریدوں کو جنت میں لیجائیگا اور اگر مرید مرحوم ہوگا تو پیر کو جنت میں کھینچ کر لے جائیگا۔

(۱۵) فرمایا کرتے تھے کہ میں آنیوالوں کی قدموں کی زیارت کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

(۱۶) کسی عالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت سے عرض کیا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟ فرمایا کہ اس اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ کس درجہ کی چیز ہے اور یہی سب کچھ ہے اگر حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرمادیں اور بلا حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے تو بڑی دولت ہے۔

(۱۷) فرمایا اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا۔

(۱۸) کوئی مرید اگر حضرت سے عرض کرتا کہ دنیا چھوڑ دوں تو ارشاد فرماتے کہ اگر دنیائے حلال ہے تو خود مت چھوڑو اللہ کا نام لیئے جاؤ جب اسکا غلبہ ہوگا تو خود ہی چھڑا دیگا

(۱۹) فرمایا میں تین شخصوں سے خدمت لینا پسند نہیں کرتا، عالم، سید اور بوڑھا

(۲۰) فرمایا کہ طلب جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے مگر محققین کے نزدیک طلب جاہ عند الخالق بھی پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اسمیں بھی ایک گونہ نسبت ہے رفعت کی اپنی طرف کہ اپنی ایسی شان سمجھتا ہے کہ وجیہ عند اللہ ہو سکے۔ عبدیت کے یہ بھی خلاف ہے، عبدیت تذلل اور پستی ہے۔

(۲۱) حافظ عبد الرحیم تھانوی اعلیٰ حضرت کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں بیعت سے اسلئے انکار نہیں کرتا کہ وہ شخص کسی بدعتی کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ فرماویں کہ تمھارے پاس آیا تھا تم نے کیوں رد کر دیا جس کیوجہ سے وہ ایسی جگہ پھنسا۔

(۲۲) ارشاد فرمایا کہ جو شخص طالب دنیا ہو وہ تارک دنیا بن جائے۔

(مطلب اس فرمان کا حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ دنیا طلب سے حاصل نہیں ہوتی جس کو دنیا کا حاصل کرنا مقصود ہو اسکا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسکو ترک کر دے بس، وہ اس کو حاصل ہو جائیگی)

(۲۳) فرمایا کہ اتفاق باہمی کی اصل تواضع ہے جن لوگوں میں تواضع ہو گی باہم اتفاق رہیگا۔

(۲۴) ایک بار فرمایا کہ میرے پاس دو طالب علم آئے ایک کا دعویٰ تھا کہ لا صلوٰۃ الا بحضور القلب اور دوسرا اعتراض کرتا تھا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ لاجہز جیشی وانا فی الصلوٰۃ یعنی میں نماز میں لشکر کی تیاری کی فکر کرتا ہوں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر کی نماز ناقص تھی

باوجودیکہ اسمیں حضور قلب نہ ہوتا تھا کیونکہ تجہیز جیش ظاہر ہے کہ منافی حضور قلب ہے۔ پس حضور قلب ضروریات کمال صلوٰۃ سے نہیں ہے وہ دوسرا طالبعلم اسکا شافی جواب نہ دے سکتا تھا۔ آخر میرے پاس آئے۔ میں نے ان کو بتلایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجہیز جیش خود منافی حضور قلب نہیں بلکہ عین حضور قلب ہے کیونکہ جس کو بادشاہ کی جانب سے کوئی خدمت ومنصب سپرد کیا جاتا ہے وہ جس وقت دربار میں حاضر ہوگا اسکا کمال قرب یہی ہے کہ اپنی خدمات مفوضہ کو پیش کر کے اسکے متعلق احکام شاہی حاصل کرے اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدمت خلافت منجانب اللہ سپرد تھی اور نماز کا وقت حاضری دربار کا وقت ہے اس وقت یہی حضور وقرب ہے۔ کہ اس باب میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے استخارہ واستشارہ کریں، پس حضرت عمر کی تجہیز کو کہ بالہام حق تھی اپنے وساوس وخطرات پر قیاس کرنا محض غلط ہے کہ یہ بعد ہے اور وہ عین قرب، اس گفتگو سے ان دونوں کو پوری تسلی ہوگئی۔

اس واقعہ کو تحریر فرمانے کے بعد حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ بطور فائدہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ کیا سلیس اور واضح طریق سے تعارض رفع فرمایا ہے۔ حقیقت میں علم رسمی محض لفظ پرستی ہے۔ معانی رسی اور حقائق شناسی انہی حضرات کا حصہ ہے۔

(۲۵) جب کوئی مسئلہ علماء کے سامنے حقائق کا ارشاد فرماتے تو یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ بھائی میں ناخواندہ ہوں تم لوگ عالم ہو، میرے قلب پر جو وارد ہوا اسکو بیان کردیا۔ اگر کتاب وسنت کے خلاف ہونے سے اسمیں کوئی غلطی ہو تو تم

لوگ لحاظ و حجاب مت کیا کرو مجھے اطلاع دیدیا کرو۔ ورنہ میں قیامت میں یہ کہدونگا کہ میں نے ان لوگوں سے کہدیا تھا انھوں نے ظاہر نہیں کیا۔

(۲۶) فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلفا و مجاز دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ میں نے بلا درخواست ان خلفا کو اجازت بیعت لینے کی دی اور خلیفہ بنایا اور وہی درحقیقت خلفا ہیں۔ اور ایک وہ کہ کسی نے خود درخواست کی کہ حضرت میں اللہ کا نام بتلادیا کروں۔ اور میں نے ان کے کہنے پر — اجازت دی تو یہ اجازت اس قسم کی اول درجہ کی نہیں ہے۔

خلفا و مجازین

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دربار گوہر بار سے جن لوگوں کو اجازت و خلافت سے سرفراز کیا گیا وہ یہ حضرات ہیں۔

(۱) امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (۲) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (۳) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری (۴) حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی، (۵) مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ (۶) مولانا محی الدین صاحبؒ خاطر (۷) مولانا جلیل احمد صاحبؒ (۸) حاجی سید محمد صاحب دیوبندیؒ (۹) مولانا منظور احمد صاحبؒ (۱۰) مولانا نور محمد صاحبؒ (۱۱) مولانا عبدالواحد صاحب بنگالیؒ

ہمارے شجرہ میں امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا نام نامی ہے اسلئے اب انھیں کے حالات سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] امداد المشتاق، افادات یومیہ، شمائم امدادیہ، کرامات امدادیہ، کمالات امدادیہ۔

(۱۴) حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح

سہارنپور سے جانب مغرب جنوب ایک قصبہ ہے جو گنگوہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کی سرزمین کو حق تعالیٰ شانہ نے سلسلہ کے تین اکابر کے نور سے منور فرمایا جن میں سے دو حضرات حضرت شاہ عبدالقدوس و حضرت شاہ ابو سعید کا تذکرہ اپنی جگہ پر آچکا اور تیسری ہستی حضرت امام ربانی کی تھی۔ جو بیک وقت عالم دین بھی تھے، جامع شریعت و طریقت بھی تھے، عاشق نبی بھی تھے اور متبع سنت رسول بھی جام شریعت اور سندان عشق دونوں اسکو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے تھے۔ یہ وہ ہستی ہے جس کو ایک عالم کا عالم فرط عقیدت و محبت سے امام ربانی کہتا ہے لیکن اس کے والدین نے اس کا نام صرف رشید احمد رکھا تھا، اب ان چند صفحات میں انہی کا ذکر مبارک کیا جا رہا ہے۔

ولادت طفولیت اور ابتدائی حالات

حضرت امام ربانی چھٹی ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ[1] مطابق ۱۸۲۹ء دوشنبہ کو چاشت کے وقت گنگوہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام ربانی کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب کا ۱۲۵۲ھ میں پینتیس۳۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر صرف سات۷ سال کی تھی۔

لہ۔ تذکرۃ الرشید جلد دوم صفحہ ۲۸۲ پر بھی خود حضرت کے ملفوظ میں اپنی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں ہونا لکھی ہے۔" (شاہد غفرلہٗ)

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت کا نشو ونما اپنے جد امجد کے زیر سایہ ہو
یوم دوشنبہ میں پیدائش اور نو عمری میں یتیم ہو کر اپنے دادا جان کے زیر ترتیب
ہو جانا یہ دونوں وہ اضطراری سنتیں ہیں جو حق تعالیٰ شانہ نے امام ربانی کو مرحمت
فرمائیں تھیں۔

تربیت ظاہری و باطنی

آپ کے سب سے پہلے استاد میاں جی قطب بخش صاحب گنگوہی تھے جن سے آپ نے تعلیم و تعلم کی
ابتدا کی اور اسی دوران اپنے استاذ سے ذہانت ذکاوت بیدار مغزی کے تعریفی
کلمات سنے۔ میاں جی قطب بخش کی عادت تھی کہ بے تکلف طلبا کے منہ سونگھ کر
دریافت کیا کرتے تھے کہ کیا کھا کر آئے ہو۔ شاگرد کے بتلانے پر فرماتے کہ اکیلے
اکیلے ہی کھا کر چلے آئے، ہمارے لئے کیوں نہیں لائے۔ ان کی اس عادت کیوجہ سے
حضرت اقدس نے خود بخود یہ معمول بنا لیا تھا کہ جو چیز بھی گھر آپ کو ملتی وہ آپ
جیب میں رکھ لیتے خود نوش نہ فرماتے، اور لا کر استاذ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔
کئی دن تک گھر والوں کو اس ایثار کی خبر نہ ہوئی، لیکن کئی روز بعد جب کپڑوں
پر دھبے دیکھے گئے اور چیکنے لگے تو گھر والوں نے ڈانٹ ڈپٹ اور اس کا سبب
دریافت کیا جب جا کر انھیں اس ایثار کی داستان معلوم ہوئی۔ یہ اثر تھا اس
سعادت مندی کا اور ایثار و رضا جوئی کا جو قدرت کی جانب سے آپ میں ودیعت
فرمایا گیا تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا چوتھا یا پانچواں سال تھا کہ والدہ ماجدہ نے مجھے اور
میرے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد کو پینے کیلئے دودھ دیا۔ اسپر میں نے اضافہ کا

تقاضا کیا اور اصرار کیا کہ اور دیا جائے۔ بڑے بھائی نے اس اصرار کو کچھ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا اور اپنے حصہ کا دودھ پینے کے بعد میرے حصہ کا دودھ بھی پی گئے۔ بس اس قصہ سے مجھے یہ تجربہ ہو گیا کہ ضد کرنیکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اصل حصہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے قرآن پاک کہاں پڑھا، بہت ممکن ہے کہ گھر ہی میں رہ کر والدہ ماجدہ سے پڑھ لیا ہو کہ اس زمانہ میں اونچے گھرانے کی خواتین قرآن پاک اور علم شریعت وغیرہ سے پوری پوری واقف ہوا کرتی تھیں، فارسی تعلیم اپنے ماموں مولانا محمد تقی صاحب سے کرنال میں پڑھی اور کچھ حصہ مولوی محمد غوث صاحب کے پاس پڑھا۔ عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولوی محمد بخش صاحب رام پوری سے پڑھیں اور پھر انہی کے ترغیب دینے پر آپ ۱۲۶۱ھ میں مزید تحصیل علم کے لئے دہلی تشریف لیگئے، اس وقت حضرت کی عمر سترہ سال کی تھی دہلی پہونچکر آپ نے مختلف اساتذہ کے درس میں شرکت کی اور ہر درس کا رنگ دیکھا۔ لیکن آپ کی طبیعت کسی جگہ قیام کیلئے راضی نہ ہوئی، ادھر حسن اتفاق اور قدرت خداوندی سے یہ بات پیش آئی کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب اپنے سفر حجاز سے واپسی کے وقت دہلی ہوتے ہوئے نانوتہ تشریف لائے اور تعطیل کے ایام ختم ہونے پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو اپنے ہمراہ پڑھانیکی غرض سے دہلی لے آئے یہ سنہ ۱۲۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت امام ربانی جو ابھی تک طبیعت کے جماؤ نہ ہونیکی بناء پر اپنی تعلیم شروع نہ کر سکے تھے وہ بھی حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی خدمت میں پہونچ گئے۔ اسی طرح سے علم و تقوی کے یہ شمس و قمر ایک ہی

استاذ کی زیر تربیت ہو کر تعلیم ظاہری کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ حضرت امام ربانی صدرا شمس بازغہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے سامنے اس طرح پڑھا کرتے تھے جیسا کہ حافظ قرآن پڑھتا ہے۔

بہر کیف چند سال آپ نے مستقل دہلی قیام فرما کر علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ علوم عقلیہ میں آپ کے دوسرے استاذ علامۃ الشہیر مولانا مفتی صدر الدین صاحب بھی تھے۔ قاضی احمد الدین صاحب سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے، حدیث کے استاذ حضرت مولانا الحاج الشاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی مجددی نقشبندی تھے۔ اور ایسے انہماک اور مشغولی کے ساتھ پڑھیں کہ کھانا پینا اور سونے کی جملہ ضروریات میں صرف سات گھنٹے خرچ ہوتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ اپنے وطن مالوف کے لئے روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً اکیس [۲۱] سال تھی۔ دہلی میں جتنی مدت آپ کا قیام رہا آپ نے اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کیا کسی پر بوجھ نہیں ڈالا۔ والد محترم ہر ماہ تین روپیہ بھیجا کرتے تھے اسی سے تمام ضروریات پوری فرماتے۔

جملہ علوم و فنون سے فراغت کے بعد جب کہ حضرت اقدس کی عمر شریف اکیس [۲۱] سال کی تھی۔ اپنے وطن گنگوہ واپس تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف علوم نحو معانی فقہ تفسیر اور حدیث کی تدریس میں ہمہ وقت اشتغال رہتا تھا۔ ۱۳۰۰ھ کے ختم تک یہ سلسلہ رہا اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے، شوال میں دورہ حدیث کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب

حدیث کی تعلیم پوری فرما دیتے۔

سلوک و تحصیل طریقت کا ابتدائی واقعہ خود حضرت امام ربانی نے بارہا ارشاد فرمایا کہ جب میں اور مولانا محمد قاسم صاحب دہلی میں زیر تعلیم تھے تو ہمارا ارادہ سلم پڑھنے کا ہوا لیکن حضرت استاذ کی مشغولیت کی وجہ سے یہ طے ہوا کہ ہفتہ میں صرف دو مرتبہ اسکا سبق ہوا کریگا، ایک مرتبہ سلم کا سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آموجود ہوئے۔ ان کے آتے ہی حضرت مع تمام خدام کے کھڑے ہو گئے اور بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ اور فرمایا لو بھائی حاجی صاحب آگئے۔ حاجی صاحب آگئے، اور پھر حضرت استاذ نے مخاطب ہو کر فرمایا، لو میاں رشید اب سبق پھر ہوگا، فرماتے ہیں کہ مجھے اس دن سبق کے ناغہ ہونیکا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کر "یہ اچھا حاجی آیا" ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم نے کہا کہ ایسی بات مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ویسے ہیں۔

حضرت امام ربانی نے اس قصہ کے بعد فرمایا ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈ دینگے۔ خود حضرت امام ربانی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں بوجہ حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ تک حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری رہی، اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحب ہی سے ہوتا تھا مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے۔ کہ نہیں بیعت تو حضرت امداد ہی سے کریں گے۔ (ارواح ثلثہ صفحہ ۲۸۸)

اسکے بعد حضرت حاجی صاحب سے تعلق و محبت بڑھتا ہی گیا یہانتک کہ پھر اپنا

سب کچھ حضرت حاجی صاحب کیلئے وقف کر دیا اور اسی دست حق پرست پر بیعت ہوئے جسکی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی[۱] سے ایک مسئلہ پر گفتگو کرنے کیلئے تھانہ بھون تشریف لیگئے اور وہاں پہونچکر اس علمی گفتگو سے پہلے حاجی صاحب کی قیام گاہ پر حاضری دی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ یہ حضرت گنگوہی کی اعلیٰ حضرت سے پانچویں ملاقات تھی۔ اعلیٰ حضرت بہت ہی کریمانہ اور مشفقانہ طرز کے ساتھ پیش آئے اور دریافت فرمایا کیسے آئے ہو؟ فرمایا مولانا شیخ محمد سے مناظرہ کے ارادہ سے آیا ہوں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہاہا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں، حضرت نے جواباً فرمایا کہ آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں، اسکے بعد موقعہ پاکر حضرت نے بیعت کی درخواست کی اعلیٰ حضرت نے طلب کا امتحان لینے کی غرض سے انکار فرمایا مگر حضرت کے دل میں جو محبت کا بیج اول ہی ملاقات سے جم گیا تھا وہ اپنی جڑیں بہت حد تک مضبوط کر چکا تھا اسلئے باوجود انکار کے آپ کی رائے میں فرق نہیں آیا۔ اور اپنے لئے پہلی ہی مرتبہ میں جو فیصلہ کرلیا تھا اسی پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ دو، تین روز بعد حضرت نے بیعت فرمالیا۔

بیعت کے وقت حضرت امام ربانی نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے فرمایا کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اٹھا جائیگا، اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ "اچھا کیا مضائقہ ہے" اس تذکرہ پر کسی خادم نے حضرت امام ربانی سے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا۔ کہ پھر تو مٹا۔

[۱] تذکرہ صفحہ ۴۰

ں کے دو، تین دن بعد اعلیٰ حضرت نے ذکر بارہ تسبیح تلقین فرمایا۔
رات کے وقت اعلیٰ حضرت حسب معمول تہجد اور اذکار کیلئے اٹھے اور وضو
رماکر مسجد تشریف لیگئے۔ تو حضرت بھی بیدار ہو گئے اور وضو فرماکر مسجد کے دوسرے
گوشے میں تہجد اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت گلا
اچھا تھا اور طاقت وقوت بھی تھی، خوب ذکر جہر کے ساتھ کیا، صبح کو اعلیٰ حضرت
نے فرمایا تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق (ماہر) کرنے والا ہو۔ بس
اس دن سے مجھے ذکر کے ساتھ محبت ہو گئی،
بیعت ہونیکے ٹھیک ایک ہفتہ بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا "میاں مولوی
رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اسکا بڑھانا
آپ کا کام ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اُس وقت اس جملہ پر بڑا تعجب ہوتا تھا
کیا چیز مجھے عطا ہوئی ہے آخر پندرہ ۱۵ سال بعد معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی۔
الغرض بیالیس ۴۲ روز قیام فرمایا اور دولت باطنی ونعمتِ روحانی سے
مالا مال ہو کر تھانہ بھون سے روانہ ہوئے، اعلیٰ حضرت ایک بڑے مجمع کیساتھ
مشایعت کیلئے دور تک تشریف لیگئے، اور یہ طویل راستہ پیدل طے ہوا۔
اعلیٰ حضرت راستہ سے رخصت ہوتے وقت حضرت کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں
لیگئے اور فرمایا اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اسکو بیعت کر لینا،
اس پر حضرت نے فرمایا مجھ سے کون درخواست کریگا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا
تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا، تھانہ بھون سے رخصت ہو کر گنگوہ پہنچے،
گنگوہ پہونچکر حضرت کا جو حال تھا اور جو جذبہ اور ذوق آپ پر سوار تھا

اس کے متعلق حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا ابوالنصر صاحب فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون سے واپس ہو کر حضرت اقدس کا قیام میرے مکان پر تھا، نصف شب کو جب آپ اٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں بھی لگا ہوا چلا آتا تھا، جس وقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گذرتی ہوگی اسکی تو کسی کو کیا خبر۔

اجازت وخلافت مل جانے کے بعد گریہ وزاری میں بہت اضافہ ہوگیا، تمام تمام رات رونے میں گذر جاتی۔ والدہ ماجدہ نے ایک نیلے رنگ کی رضائی اس غرض سے تیار کرائی تھی کہ شب کے وقت اسکو اوڑھکر مسجد میں جایا کریں۔ تا کہ سردی سے حفاظت ہو سکے۔ آپ کے رونیکی وجہ سے اور آنکھیں اس رضائی سے صاف کرنیکی بنا پر اسکا رنگ ہی بدل گیا تھا اور کچھ کا کچھ ہوگیا۔

مرشد کیجانب سے ایک امتحان اور اسمیں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا جسکے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت پر کھانیکا بار ڈالنا گوارہ نہیں کیا۔ آخر میں نے یہ سوچکر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور ناگوار بھی ہوگا، رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھیرو، میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کر لیا مگر اسکے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے، تھوڑی دیر کے بعد جب

اعلیٰ حضرت مکان پر تشریف لیجانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہو کر فرمایا، میاں رشید احمد کھانیکی فکر مت کرنا، ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا اعلیٰ حضرت نے مجھے دسترخوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا۔ اتنے میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ تشریف لائے۔ کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر اعلیٰ حضرتؒ سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، اعلیٰ حضرت نے برساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں، چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھدیتا۔ اس فقرہ پر اعلیٰ حضرتؒ نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اسکا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرمارہے ہیں بالکل سچ ہے، اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے جس طرح بھی ہو بندہ نوازی ہے، اسکے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا۔ اسکے بعد فرمایا اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے حالات وواردات پر مشتمل ایک سفینہ اپنے شیخ ومرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو (اس والا نامہ کے) جواب میں جس میں اعلیٰ حضرت نے حضرت امام ربانی کے حالات دریافت کیے تھے لکھا ہے اور مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو گیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے،

حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں!

حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوا
دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے
روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو
کیا کروں، بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے، حضرت مرشدمن! علم ظاہری کا تو یہ
حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ
ہوا ہے۔ اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے
گئے ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انھوں نے درس جاری کیا اور سنت کے
احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ
کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے، اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا یہ
خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق سے نفع وضرر کا التفات نہیں۔ واللہ بعض اوقات
اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا کسی کے مدح وذم کی پروا
نہیں رہی، اور ذام ومادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور
اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بے
رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے۔ بس زیادہ عرض کرنا گستاخی
اور شوخ چشمی ہے، یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔
جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ
نہیں ہوں، اور وہ جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے
استغفراللہ، استغفراللہ، استغفراللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ" اب
عرض سے معذور فرما کر قبول فرمائیں" والسلام ۱۳۰۶ھ۔

سفرِ حج

ڈپٹی عبد الحق صاحب رام پوری نے اپنے سفرِ حجاز کے موقعہ پر حضرت امام ربانی سے درخواست کی کہ آپ بھی میرے ہمراہ چلیں حضرت نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور فرما کر اسکو عطیۂ غیبی سمجھا اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور انتظامات مکمل فرما کر ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں روانہ ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت کے علاوہ حکیم ضیاء الدین صاحب، حافظ وحید الدین صاحب، حاجی علاؤ الدین صاحب، حاجی محمد یوسف صاحب اور حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا ابو النصر صاحب بھی تھے۔

مکہ معظمہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے جو شفقت و محبت کا اظہار فرمایا وہ تحریر سے باہر ہے، جب تک آپ مکہ میں رہے اعلیٰ حضرت نے اپنے ہی پاس رکھا، عرفات کے سفر میں آپ کا اونٹ اعلیٰ حضرت کے اونٹ کے متصل تھا، منیٰ و مزدلفہ میں بھی ساتھ رہے۔

حضرت امام ربانی نے اپنے سفرِ حج کے دوران مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ اہل خدمت اولیاء کا ایک قافلہ چلا جا رہا ہے آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اور خواب ہی میں یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ لاحق کر دے۔ یہ دعا مانگ کر میں ان کے پیچھے دوڑا اور ان میں جا ملا، صبح کو یہ خواب اعلیٰ حضرت سے بیان کیا تو مسکرا کر فرمایا پھر اب کیا چاہتے ہو لاحق تو ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کو مکہ معظمہ قیام کے دوران خارش شروع ہوئی جو شروع میں خشک تھی پھر تر ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ ہندوستان مراجعت کی نیت سے جہاز پر سوار ہو گئے، جہاز میں طبیعت بڑی خراب رہی

بخار چڑھا اور اتنا شدید کہ سرسام ہوگیا، تین دن تک آپ بیہوش رہے۔ اسہال کا ایسا سلسلہ چلا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس طویل المدت بیماری میں آپ کے تیماردار اور آپ کی دیکھ بھال کرنیوالے مولانا ابوالنصر صاحب تھے، جنہوں نے تنہا حضرت امام ربانی کی خدمت کر کے بیشمار و بے حساب اجر حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی بسا اوقات فرمایا کرتے تھے ایسا حقیقی بھائی بھی نہیں کرسکتا، جیسا ابوالنصر نے میرے ساتھ کیا کہ مثل مادر مشفقہ اپنی گود میں لیکر پاخانہ پیشاب کراتے تھے، ستائیسویں دن بمبئی پہنچے، اس عرصہ میں مرض اپنی جڑیں اس مضبوطی کیساتھ جما چکا تھا کہ باوجود پوری سعی و کوشش کے ذرا بھی افاقہ نہیں ہوا۔ متفرق لوگوں کے علاج معالجہ سے کچھ افاقہ کی صورت تو بنتی نظر آرہی تھی مگر اطمینان کی کوئی صورت نہیں تھی، اسی درمیان میں آپ پر تشنج کے دورے شروع ہوگئے۔ جس نے نحیف جسم کو اور بھی لاغر کر دیا۔ سب سے آخر میں آپ کے معالج حکیم محمد اعظم خان مؤلف اکسیر اعظم بنے، اس وقت حکیم صاحب اندور میں راجہ کے طبیب بنے ہوئے مقیم تھے اور ایک ہزار روپیہ ماہانہ پر ملازم تھے، حکیم صاحب نے قیامگاہ پر پہونچکر اول سے آخر تک حضرت اقدس کو ملاحظہ فرمایا، نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کیا اور دوسرے ہی دن سے افاقہ ہونا شروع ہوگیا اور مرض میں تخفیف ہونی شروع ہوگئی۔ حکیم صاحب بلا کسی مالی طمع کے روزانہ خود حضرت امام ربانی کی دیکھ بھال کیلئے مکان پر پیدل آیا کرتے تھے، رفتہ رفتہ طبیعت یہانتک تندرست ہوئی کہ حضرت امام ربانی خود کروٹ لیتے اور کبھی کبھی اٹھکر بیٹھ جانیکے قابل ہوگئے، صحت کے اس مرحلہ پر پہنچکر خود حکیم صاحب نے مشورہ دیدیا کہ اب الحمد للہ اطمینان کے

قابل حالت ہے۔ آپ وطن چلے جائیں۔ چنانچہ مولانا ابوالنصر صاحب حضرت امام ربانی کو اپنے ہمراہ لیکر بخیر و عافیت محرم ۱۲۸۲ھ میں گنگوہ پہنچ گئے۔ یہاں آنے پر اور عوارض بھی دور ہو گئے۔ اور آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔

امام ربانی نے دوسرا سفرِ حج ۱۲۹۴ھ میں کیا یہ دور وہ تھا جب کہ ٹرکی اور روس میں باہم جنگ چھڑی ہوئی تھی، عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ درحصل حضرت سفر حج کا حیلہ کر کے ملک روم تشریف لیجارہے ہیں۔ تاکہ حکومت ٹرکی کی طرف سے والینٹیر جماعت میں شرکت فرما کر جہاد کریں مگر لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا۔ حضرت کا مقصد صرف بیت اللہ کیلئے روانگی اور دیار رسول کی حاضری تھی چنانچہ آپ بارہ (۱۲) شوال کو سہارنپور سے روانہ ہوئے۔ علمائے وقت کے ایک جم غفیر کو آپ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل ہوئی، اس مبارک قافلہ میں مشاہیر علماء میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حکیم ضیاءالدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب مع اہلیہ، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب، مولانا محمود حسن صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جیسے حضرات تھے،

قافلہ کے تمام افراد سو کے قریب تھے۔ اس قافلہ کا یہ سفر بمبئی تک بذریعہ ریل ہوا کیونکہ اس سال ریلوے کا سلسلہ بمبئی تک پھیل چکا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ سہارنپور سے چلکر غازی آباد ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الٰہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبل پور کو دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا اور جبل پور سے بمبئی تک ریلیں چلنی شروع ہو چکی تھیں۔

راستہ میں اس مقدس مجمع کے ساتھ بہت سے امور خارق عادت پیش آئے اور بہتیری کرامتوں کا صدور ہوا۔ منجملہ ان کے ایک موقع کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

مولوی عزیز الرحمٰن جو حضرت امام ربانی کے بھانجے ہیں ان کی روایۃ ہے کہ صبح کی نماز کا وقت تھا، صبح صادق ہو چکی تھی ایک اسٹیشن پر ریل ٹھیری۔ امام ربانی اترے وضو کی اور دو سنتیں پڑھیں، فجر کی نماز باجماعت کا پختہ ارادہ دیکھ کر ریل میں جس قدر مسلمان موجود تھے وہ قریب قریب سب ہی اتر گئے اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے، اس طرح سے ایک بہت بڑی جماعت پلیٹ فارم پر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ اتنے میں ریل نے چلنے کیلئے سیٹی دی آواز سن کر بہت سے نمازی اپنی اپنی نمازیں توڑ کر ریل میں سوار ہو گئے۔ مگر حضرت امام ربانی اسی اطمینان وسکون کے ساتھ اپنی نماز میں مشغول رہے، فکر وتردد کا کوئی اثر لہجہ مبارکہ سے بھی محسوس نہ ہوتا تھا، یہ حضرت کی کھلی کرامت تھی کہ ریل مسلسل چیخ رہی تھی اور ایک قدم آگے نہیں بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ حضرت نماز سے فارغ ہوئے مختصر سی دعا کے بعد ریل میں سوار ہو گئے، ادھر سوار ہونا اور ادھر ریل کا چلنا، اس موقعہ پر گاڑی پورے پندرہ منٹ ٹھیری رہی۔ اور پھر یہ تاخیر تیز رفتار گاڑی نے آگے چلکر پوری کی،

بمبئی پہونچکر یہ قافلہ بائیس ۲۲ دن تک وہیں ٹھیرا رہا اور جہاز کی آمد کا منتظر رہا۔ مگر جہاز نہ آیا، ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمانے لگے کہ آج معلوم ہوا ہے کہ سارے قافلہ کو روکنے والے مولوی محمد قاسم ہیں۔ ان کے چند رفقا ضلع مظفر نگر سے آنیوالے ہیں جب تک وہ لوگ یہاں نہ پہنچ جائیں گے اس وقت

تک جہاز نہ آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس دن مظفر نگر کا وہ قافلہ بمبئی پہنچا ہی اسی دن کسی جرمنی جہاز کا ٹھیکہ حاجی قاسم نے لیا اور ٹکٹ فروخت کرنا شروع کردیئے اور اگلے ہی دن جہاز بمبئی کی بندرگاہ سے روانہ ہوگیا۔ اور ٹھیک آٹھویں دن عدن کی بندرگاہ پر پہنچا اور ایک دن رات وہاں ٹھیر کر جہاز روانہ ہوا اور چوتھے دن جدہ پہونچ گیا۔ چار دن جدہ میں قیام کرنے کے بعد غالباً بیس[۲] ذیقعدہ کو یہ سب حضرات خیر و عافیت کے ساتھ مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہوئے اور اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پہنچے۔

اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کو امام ربانی اور اس پورے قافلہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہوچکی تھی اس لئے آپ جوش مسرت میں استقبال کیلئے باہر تشریف لائے اور جس وقت قافلہ باب مکہ پر پہنچا تو سب نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت پٹکے سے کمر باندھے فصیل کے پاس کھڑے تھے، امام ربانی اسی وقت سواری سے اتر پڑے اور بغل گیر ہوئے، اور تمام قافلہ کو اپنی رباط میں لاکر ٹھیرادیا اور صبح کو سارے مجمع کی دعوت کی، امام ربانی نے درخواست بھی کی کہ آدمی بہت ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ سب احباب یہیں کھائیں، حضرت امام ربانی نے قافلہ کے حج کے بعد مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے اور کم و بیش بیس[۲] دن وہاں (مدینہ منورہ میں) قیام کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہوکر مکہ مکرمہ آگئے اور ایک ماہ تک یہاں قیام رہا۔ جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا ان کا اصرار اور تقاضا جلد وطن پہونچنے کا تھا، چنانچہ چند رفقاء روانہ بھی ہوگئے، مگر حضرت امام ربانی اپنے مخصوص رفقاء کے ہمراہ ٹھیرے رہے ایک ماہ گذرنے پر بقیہ رفقاء پھر

باہم مشورہ کرنے لگے کہ حضرت سے چلنے کی درخواست کریں مگر رعب کے باعث کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی، آخر کار چند ضرورت مند اصحاب نے ہمت کر کے اعلیٰ حضرت سے عرض کر ہی دیا کہ آپ حضرت امام ربانی کو چلنے کا حکم فرمادیں۔ اور ہمیں معیت کی نعمت سے محروم نہ فرمادیں، اعلیٰ حضرت نے ان کی درخواست منظور فرما کر امام ربانی سے فرمادیا کہ مولانا! جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو مگر ہمراہیان کے پاس خرچ کم ہے اور آپ کی ذات سے ہندوستان والوں کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے اسلئے مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ ہندوستان واپس چلے جائیں۔

امتثال امر میں امام ربانی رخصت ہوئے جدہ پہنچ کر جہاز روانگی کیلئے تیار ملا اسمیں جگہ تنگ تھی مگر یہ فرما کر اسکے ٹکٹ لے لیئے کہ جب مکہ چھوٹ گیا تو اب راحت کے خیال سے جدہ رہنا بے سود ہے، چنانچہ اسی دن شام کو جہاز سے روانہ ہو کر تیرھویں دن بخیر و عافیت بمبئی پہونچ گئے اور بمبئی سے گنگوہ۔

۱۲۹۹ھ میں آپ نے تیسرے حج کی تیاری کی، اس سفر کا نظام دفعتہً بنا، پہلے سے کسی قسم کی طیاری نہ تھی، وقت اتنا تنگ ہو چکا تھا کہ حج میں شریک ہو جانیکی امید بہت سے لوگوں کو نہ تھی، چار ذیقعدہ کو آپ بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، بمبئی پہونچکر دیکھا کہ تمام حجاج روانہ ہو چکے تھے صرف چند گنے چنے افراد نظر آئے جو اس امید پر وہاں پڑے ہوئے تھے کہ شاید حجاز پہنچنے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ رفقائے سفر نے منع کیا کہ جدہ کا ٹکٹ لینا اور عزم حجاز فضول ہے۔ وقت بالکل کم ہے بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ جدید قانون کے مطابق حجاج کو قرنطینہ کیلئے دس یوم تک رکنا پڑیگا، مگر آپ نے ایک نہ سنی اور ٹکٹ لیکر جہاز

میں بیٹھ گئے، جہاز بمبئی سے چلا اور ٹھیک ساتویں دن عدن پہنچا اور چند گھنٹے وہاں بندرگاہ پر ٹھیر کر سیدھا حجاز پاک کا رخ کیا، نویں دن جدہ پہنچا اور جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر اتر گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ کہ قانونی اعتبار سے قرنطینہ بھی بہت ضروری تھا۔ البتہ جہاز والوں پر حکومت کا عتاب ضرور ہوا کہ قرنطینہ کیے بغیر کیوں آئے، اور روانگی میں سزا دوگنا قرنطینہ جہاز والوں سے کرایا گیا۔ مکہ معظمہ پہونچکر اگلے دن ارکان حج شروع ہو گئے، اور نہایت اطمینان و راحت کے ساتھ حج کی سعادت سے نوازے گئے، اور تیسری مرتبہ مرشد العرب والعجم شیخ الکل اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ یہ حج حضرت امام ربانی کا آخری حج تھا اسکے بعد پھر پوری یکسوئی کے ساتھ بالاستقلال تعلیم و تدریس اور تربیت و تزکیہ میں مشغول ہو گئے۔

وفات

اس تعلیم ظاہری اور باطنی کا سلسلہ آخر سنہ ۱۳۱۳ھ تک رہا اور سنہ ۱۳۱۴ھ کے شروع میں چونکہ نزول آب ہو گیا تھا اسلیئے علوم ظاہریہ کے اشتغال کے اوقات بھی تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس میں صرف ہونے لگے اور آٹھ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۲۳ھ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے وقت اس عالم سفلی کو الوداع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے انعامات میں درجہ شہادت بھی عطا فرمانا تھا اس لئے ایک نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے سے جس نے تہجد کے وقت قدم بوسی کی تمنا میں پائے مبارک کی دو انگلیوں یعنی خنصر اور بنصر میں ناخن سے کچھ نیچے کو ڈسا۔ اور حضرت قدس سرہ کو نماز کے استغراق میں پتہ بھی نہیں چلا، جب صبح کی نماز کیلیئے غایۃ اسفار میں مسجد میں تشریف لائے تو خدام نے دیکھا کہ پائے مبارک اور پاپچہ سب

خون آلود ہے تب حضرت کو خبر ہوئی، اسلئے جلدی سے آپ نے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی، اس کاٹنے کے متعلق حضرت نے جب بھی فرمایا یہی فرمایا کہ مجھے تو نہ کسی کے کاٹنے کا احساس نہ اس وقت ہوا اور نہ اب کوئی درد یا تکلیف ہے۔ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۲۳ھ کی بارھوین یا تیرھویں شب میں ڈسنے کا قصہ پیش آیا اور باختلاف روایۃ آٹھ یا نو جمادی الثانیہ مطابق ۱۱ اگست سنہ ۱۹۰۵ء کو اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر کو پہونچکر وصال ہوا۔ اور مات لدیغا کا مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا اور حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی، بعض حضرات کو سحر کا بھی خیال تھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا۔ اسلئے ہر نوع کے علاج معالجات بھی کئے گئے مگر اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَاءَ لَا یُؤَخَّرُ اعلی اللہ مراتبہ ونور اللہ مرقدہ ورزقنا من اتباعہ جماعۃ۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کو چند روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا، شنبہ کے روز دریافت کیا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے اسکے بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت کیا حتی کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا، صبح کے وقت پھر دریافت کیا کہ کیا دن ہے؟ اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کی خبر آنے سے چند روز قبل آپ کے متوسلین میں کسی شخص نے خواب دیکھا تھا کہ اعلیٰ حضرت دیوبند تشریف لائے آپ کا چہرہ آفتاب جیسا روشن ہے اور فرما رہے ہیں کہ میرا تو انتقال ہو چکا

میں مولوی رشید احمد کو لینے کیلئے آیا ہوں۔ بیسویں ذی الحجہ تک لیجاؤں گا، اس خواب پر مخلصین کو پریشانی لاحق ہوئی اور خواب حضرت کی خدمت میں بیان بھی کیا گیا۔ آپنے تاویل اور تعبیر بیان فرماکر پریشانی کو دفع فرمادیا مگر بارہا یوں بھی ارشاد فرمایا۔ اجی تاویل تاویل ہی ہے اتنے دنوں میں تو آدمی کتنی بار مرلے، اور بعض مرتبہ نہایت بشاشت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جب حضرت لینے آئیں گے تو امید ہے کہ اچھی ہی طرح لیجائیں گے۔

نواح سورت میں کسی گاؤں کی مسجد کے امام ایک شخص ہیں سلیمان میاں انکا نام ہے انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک تخت پر دو بزرگ نہایت پاکیزہ صورت والے بیٹھے ہیں اور ایک شخص تخت کے نیچے کھڑا ہے، اس شخص سے سلیمان میاں نے دریافت کیا کہ یہ بڑے شخص کون ہیں اور ان کے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے بزرگ کون ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ بڑے تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے شخص مولوی احمد بزرگ سابق مہتمم مدرسہ ڈابھیل کے پیر مولانا رشید احمد صاحب رح ہیں، سلیمان میاں نے یہ خواب مولوی احمد صاحب سے بیان کیا، انھوں نے پوچھا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟ انھوں نے سوچکر بتلادیا کہ جمادی الثانیہ کی آٹھ یا نو تاریخ کو دیکھا تھا، وہی تاریخ امام ربانی کے وصال کی تھی۔ علماء وقت اور اذکیائے امت کی ایک بڑی جماعت آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھی اس لئے آپ کے وصال کی بھی بہت سی تواریخ عربی، فارسی، اردو میں کہی گئیں۔ اور صوری و معنوی ہر قسم کے مادے نکالے گئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین۔ از حضرت مولانا محمود حسن صاحب

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

کنت حمید اؔ ملت شہیداً ۔ از حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری،
مولانا عاش حمیداً مات شہیداً ۔ از حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ،
حی دخل الخلد از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ اور
اردو کی چند تواریخ یہ ہیں۔

کیوں نہ روئیں سالکانِ جادۂ قربِ الٰہ — ہائے راہ حق کا سچا رہنما جاتا رہا۔
بولا ہاتف کہ ہائے آنکھوں سے — آج دیکھا بجھا چراغ ۔ دین

متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص بغرض بیعت حاضر ہوئے۔ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ بھائی یہ بتلادو کہ تم توبہ کروگے یا فقیر ہوگے، انھوں نے کہا کہ میں توبہ نہیں کرتا فقیر ہوں گا فرمایا اگر توبہ کرو تو میں کرادوں، فقیر تو میں خود بھی نہیں ہوں تمھیں کیسے بنادوں۔ اس پر وہ شخص بولا کہ پھر تو میں کسی اور ہی کے پاس چلا جاؤنگا۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت امام ربانی کے استاذ زادہ مولانا محمد یعقوب صاحب ابن حضرت مولانا مملوک العلی صاحب گنگوہ تشریف لیگئے، عصر کی جماعت تیار تھی حضرت اقدس گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت نماز پڑھائیے۔ چنانچہ مولانا مصلے پر جانے لگے چونکہ پیدل چلکر تشریف لائے تھے اسلئے پیروں پر گرد جمی ہوئی تھی جب حضرت گنگوہی کے قریب پہنچے تو حضرت خود اپنے رومال سے ان کے پیروں کی گرد جھاڑنے لگے، مولانا خاموش کھڑے رہے اور بے تکلف پیر صاف کراتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت گنگوہی کھانا نوش فرما رہے تھے۔ اتنے میں

مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے تو حضرت اپنے ہاتھ میں کا ٹکڑا دیگر گھر میں سے اور کھانا لینے کیواسطے تشریف لیگئے اور مولانا نے وہ ٹکڑا کھانا شروع کر دیا۔

(۳) حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی، اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کر دیں، حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بددعا نہ کیجئے اس پر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا توبہ توبہ مسلمان کیلئے کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں، استغفر اللہ۔

(۴) فرمایا کہ اگر ایک مجلس میں تمام اولیاء اللہ جمع ہوں اور ان میں حضرت جنید بغدادی بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی صاحب بھی ہوں تو ہم تو حضرت حاجی صاحب کے سامنے حضرت جنید یا کسی اور کی طرف کبھی التفات بھی نہ کریں۔ حضرت حاجی صاحب ہی کے پاس پہونچیں، ہاں حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے کہ وہ ادھر التفات کریں۔ کیونکہ وہ ان کے پیر ہیں۔ ہمیں تو اپنے حضرت حاجی صاحب ہی سے مطلب ہے۔

(۵) انبہٹہ میں ایک صاحب تھے جنکا نام منشی تجمل حسین صاحب تھا اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے ادھر ادھر مارے پھرتے تھے ان کی بیوی نے ایک دفعہ حضرت اقدس سے انکی شکایت کی۔ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیوں ادھر ادھر پھرتے ہو۔ عرض کیا کہ اسمیں شک نہیں کہ ہمارے حضرت کے برابر کوئی کامل نہیں، اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ

میرا قلب جاری ہو جائے۔ اس کی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ میاں اسمیں کیا رکھا ہے، عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اسمیں واقعی کچھ نہیں رکھا لیکن اس کو میں کیا کروں کہ جی چاہتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ اچھا جاؤ مسجد میں جا بیٹھو وہ مسجد میں جا بیٹھے، ادھر حضرت وضو کر کے کھڑاؤں پہنکر مسجد کی طرف چلے، کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنی تھی کہ ادھر ان کا قلب جاری ہو گیا۔ دوڑ کر حضرت کے قدم پکڑ لیے۔ کہ میں جو چاہتا تھا وہ حاصل ہو گیا اب میں کسی سے نہیں ملونگا۔ چنانچہ پھر ادھر ادھر پھرنا بند کر دیا۔

(۶) قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوری نے ایک مرتبہ حضرت اقدس گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجیے۔ فرمایا میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انھیں تعجب ہوا کہ مشائخ کے معمول کو۔ جوگیوں کا عمل فرمادیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا۔ اسمیں حضرت کا وعظ ہوا یہ قاضی صاحب بھی اسمیں شریک تھے، وہاں حضرت کے وعظ کے مضمون پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ وبکا کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت مجمع کی طرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ ان کو سکون ہو، جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسمٰعیل صاحب حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب! بس کبھی کبھی یوں کر دیا کرو، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کیا، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

(۷) ایک بے تکلف دیہاتی نے حضرت سے بمقام آبھر جب کہ خدام بدن

دبا رہے تھے، سوال کیا کہ مولوی جی تم تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہوگے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا بھائی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے۔ لیکن الحمد للہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور جو خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ یہ سن کر وہ گاؤں والا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے۔ بولا کہ اجی اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ ہرج نہیں۔

(۸) سفر حج ... میں ایک مرتبہ امام ربانی ململ کا باریک کرتہ پہنے ہوئے طواف میں مشغول تھے۔ مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جس وقت شوط میں آپ کا گذر ان بزرگ پر ہوا تو انھوں نے ایک کلمہ (خشن خشن) یا جس کی طرف حضرت امام ربانی کو محویت و استغراق کی وجہ سے خیال بھی نہ ہوا۔ دوسرے شوط میں جب دوبارہ انھوں نے وہی کلمہ کہا تو آپ نے غور سے سنا، اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں، جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ صالحین کا لباس پہنا کیجیے۔ آپ نے اپنے ململ کے کرتہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی صالحین ہی کا لباس ہے ان بزرگ نے فرمایا نہیں نہیں موٹا پہنو۔ امام ربانی یہ فرما کر کہ بہت اچھا خدا آپ کو برکت دے اپنے طواف میں مشغول ہوگئے اور شوط پورا فرمایا۔

(۹) ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رام پور تشریف لیجانیکا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا، صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب

بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب آئے اور داہیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو حاجی آدمی سمجھ کر یا درمیان میں بیٹھے ہوئے ہونے کے چھوڑ دیا۔ آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اسلئے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھ لیا۔ اور ارشاد فرمایا الحمد للہ مجھے اسکی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

(۱۰) ایک مرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہوکر آپ باہر تشریف لائے اور معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے، ایک دن پہلے کرنال سے ایک برات گنگوہ میں آئی تھی جس میں رقاصہ بھی ساتھ تھی، اس برات میں آنیوالے چند آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار بھی تھے جو صبح کو سلام کیلئے حاضر آستانہ ہوئے، دیکھا تو حضرت چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں۔ دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کیلئے حاضر ہوئے تھے، آپ نے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ رقاصہ کا ساتھ لانا اس محرومیت کا سبب ہے۔ پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں، بیٹی والوں کی حرکت ہے۔ آپ نے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا تو ہیں نہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جاوے، اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہتیرے دل بھر آئے۔ آخر جب لوگ چلے گئے تو آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔

(۱۱) آپ کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقدوس کا عرس جس کے بند کردینے
پر آپ قادر نہ تھے اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا
اور آپ کیلئے زبردست مجاہدہ تھا، اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ
چھوڑ دیتے اور رام پور تشریف لیجاتے۔ مگر آخر میں اس ایذاء قلبی کے برداشت
کی آپ کو تکلیف دیگئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گذارنا پڑا۔ اس
موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض
ہوجاتے اور ترکِ تکلم فرمادیتے تھے، ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح صاحب
جالندھری (جو حضرت امام ربانی کے خلفاء ومجازین میں سے ہیں) آپ کی زیارت
کے شوق میں بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے عرس کا زمانہ
تھا، اگرچہ آنیوالے خادم کو اسکا وہم بھی نہ گذرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ
اپنے شیدائے سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے آپ سے یہ نہ ہوسکا کہ ان کی مزاج
پرسی کریں یا محبت ومدارات سے پیش آئیں، آپ نے بجز سلام کا جواب دینے
کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں، اور کب آئے یا کیوں آئے۔

مولوی محمد صالح کو دو دن اسی طرح گذر گئے حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھنا
جس درجہ ان کو شاق گذر رہا تھا اسکو انہی کے دل سے پوچھنا چاہیے، ہرچند
اسکی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی، حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھکر
رنجیدہ، اور محزون واپس آجاتے، آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت
ہوئے اور رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے
میں تو اسکا متحمل نہیں ہوسکتا، اللہ واسطے معاف فرمائیں، اس وقت حضرت نے

ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ میرا قصور نہیں جس کو میں معاف کردوں خدا کی خطا ہے اس سے معافی چاہو، اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گذرا، چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتدا ہی سے شوق نہیں، واللہ نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونیکا مجھے علم تھا،

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ تمھاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنیوالے آرہے تھے اسی میں تیسرے تم تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، من کثر سواد قوم فہو منہم،

(۱۲) ایک مرتبہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں آپ تشریف لیگئے۔ تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کیلئے مصلے پر جا کھڑے ہوئے، مخلوق کے اژدہام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث جلدی کرنیکے باوجود جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے تو قرات شروع ہوگئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اداس تھے اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس۲۲ سال کے بعد آج تکبیر اولی فوت ہوگئی۔

(۱۳) ایک مرتبہ حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ نے ایک گھڑا[۱] ابھر کر غسالہ

---

[۱] بروایۃ مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب از حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ یہ غسالہ موئے مبارک کی ایک شیشی تھی جس کو گھڑے میں ڈلوا دیا گیا تھا۔

شریفہ کا بھیجا جس وقت ۔۔ اہتمام کے ساتھ وہ گنگوہ پہنچا آپ نے فوراً اسکو کھلوایا اور سبیل لگادی اس دن جو بھی آیا سلام کے جواب کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہوتا، میاں مولوی یحییٰ ان کو بھی پانی پلاؤ، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ بھی خوش نصیبی سے اس دن جا پہنچا اور تبرک سے فیضیاب ہوا میں دیکھ رہا تھا کہ نووارد مہمان آتے تھے اور آپ کے فرمان کے مطابق پانی پیتے جاتے تھے۔

(۱۴) ایک مرتبہ ایک نابینا شخص آپ کی خانقاہ میں آیا اور اپنے اخلاص واشتیاق زیارت کا بہت ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیا اور کہا کہ پاپیادہ میرٹھ سے روانہ ہو کر گنگوہ پہنچا ہوں صرف اس لئے کہ اللہ کا نام سیکھوں، یہاں تک کہ اہل خانقاہ اسکے عاشقانہ شوق سے متاثر ہوئے اور حسب وسعت خاطر و مدارات کی، جب اذان ہوئی اور حضرت مسجد میں تشریف لائے تو اس شخص نے مصافحہ کے لئے .... ہاتھ بڑھائے حضرت نے ہاتھ جھٹک دیئے اور بہت ہی بے پرواہی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دیا، ہر چند کہ اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا متمنی و آرزو مند ہونا ظاہر کیا، مگر حضرت نے اتنی بھی توجہ نہیں فرمائی جتنی کسی فارغ الذہن اجنبی آنیوالے کی جانب ہوتی تھی جنھوں نے اس نووارد کو اسکی لسانی اور گریہ تصنع کے سبب حضرت کا عاشق زار سمجھا تھا ان کو تعجب بھی ہوا مگر کس کو ہمت تھی کہ لب ہلائے، بعض مخلصین نے سفارش بھی کی کہ حضرت نابینا مایوسی کے سبب بہت پریشان ہے۔ مگر حضرت کو سفارش بھی ناگوار گذری اور غصہ کے ساتھ فرمایا کہ جب تمھیں دخل نہیں تو اس

کام میں بولا کیوں کرتے ہو، اس کے قلب کو تو دیکھو دنیا بھر کا پڑھا ہے۔ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ عرض کرتا۔ آخر کار وہ نابینا چلا گیا، دس بارہ روز ہی گذرے تھے کہ عرس کا زمانہ آگیا۔ دیکھا تو اسمیں نابینا موجود تھے، اور قوالی میں خوب خوب حال لاتے تھے۔ صوفی کرم حسین صاحب جو ابتدائی قصہ دیکھ چکے اور متعجب ہوئے تھے یہ حالت دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور موقع پا کر نابینا سے کہنے لگے "میاں حضرت کے ساتھ وہ شوق و ولولہ کہاں گیا؟ بیچارے تھے راست گو کہنے لگے بھیا یہ تو یاروں کے دھندے ہیں، خیال تھا کہ تمھارے میاں صاحب پر سکہ جم جائیگا تو آؤ بھگت کے ساتھ چند روز گذر جائیں گے، پھر عرس کا وقت آئیگا اور یہاں حال و قال میں بھرم بندھیگا، باقی کیسا شوق اور کیسی تمنائے زیارت، ہم تو سیاح آدمی ہیں یوں ہی گذارتے پھرتے ہیں"!

فرمودات وارشادات

(۱) فرمایا کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے۔ اسکو کوئی سلب نہیں کرسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں تو دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کرے۔

(۲) حضرت امام ربانی کے یہاں لوگ آکر اپنے حالات بیان کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کی شکایات بھی کر دیا کرتے تھے، حضرت نہایت سکون کے ساتھ سب کو سنتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت سے لوگ اپنی شکایات بیان کرتے ہیں اور آپ دونوں فریق کی سن لیتے ہیں، حضرت پر اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا؟ فرمایا میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ ان

دونوں میں رنجش ہے، اسلئے جب تک دوسرے کی رنجش نہ دور نہ ہو کیسے یقین کروں

(۳) اوائل عمر میں حضرت امام ربانیؒ نے طریقت کی ماہیت کے متعلق ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرمایا!

صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے اراد کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جاتا ہے، صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے۔

اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اور اسکی ضد ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ لطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کی برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا، ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ سخاوت کرنا، درگذر اور خطا کا معاف کرنا، خندہ روئی اور بشاشت جسم، سہولت اور نرم پہلو رکھنا، تصنع اور تکلف چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیزگاری اختیار کرنا، جنگ و جدل

اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض[۱۴] و کینہ و حسد نہ رکھنا۔ عزت[۱۵] و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا، وعدہ[۱۶] پورا کرنا۔ بردباری[۱۷]، دور اندیشی[۱۸]، بھائیوں[۱۹] کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا۔ اور اغیار سے علیحدہ رہنا، محسن[۲۰] کی شکر گذاری اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن تہذیب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ما سوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب، بدترین معصیت تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

(۴) مولانا ولایت حسین صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ شیطان پیر کی صورت نہیں بنا سکتا کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا ہاں اگر مرید کو توحید مطلب حاصل ہو اور اسکے معنی یہ ہیں کہ مرید کا اعتقاد پیر کے ساتھ اسقدر راسخ ہو کہ دنیا کے اندر اسکے سوا کسی کو ذریعۂ ہدایت نہ سمجھتا ہو۔ (۵) فرمایا جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندر ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے، اور فرمایا جس کا جی چاہے دیکھ لے غیر مقلدین چونکہ ائمہ دین کو برا کہتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے بھی نماز پڑھنی مکروہ ہے۔

(۶) ایک دن مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی نے دریافت کیا کہ حضرت کیا ذکر ولادت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بلا رعایت مروجہ کتاب میں دیکھ کر بیان کر دینا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں کیا حرج ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پیرزادے سلطان جہاں نے کہلا بھیجا کہ وہ مولود جو جائز ہے پڑھکر دکھلا دیجئے۔

میں نے کہلا بھیجا کہ یہاں مسجد میں چلے آؤ مگر انھوں نے عذر کر دیا کہ عورتیں بھی سننے کی مشتاق ہیں اسلئے مکان میں ہو تو مناسب ہے۔ میں نے (حضرت اقدس مولانا) مولوی خلیل احمد (سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ) کو تاریخ حبیب اللہ مصنفہ مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم دیکر کہا کہ تم ہی جا کر پڑھ دو وہ گئے تو وہاں دری بچھی ہوئی تھی، صاحب مکان نے کہا کہ اگر یہ بھی ممنوع ہو تو اس کو بھی اٹھا دوں، مولوی صاحب نے کہا دو نہیں" آخر مولود شروع ہوا پہلے آیۃ کریمہ لقد جاءکم رسول الخ، کا بیان فرمایا اور حضرت شیخ عبد القدوس رحؒ کے اقوال وافعال بیان کئے پھر بدعات مروجہ کا بیان فرمایا، اور متصوفین زمانہ کی خوب قلعی کھولی اسکے بعد تاریخ حبیب الہ سے واقعات وولادت وغیرہ بیان کر کے ختم کر دیا، جن لوگوں کے حق میں مولوی صاحب کی تقریر لاحول کا کام دے رہی تھی وہ تو صاحب مکان سے بہت ناراض ہوئے کہ تم نے اپنے مکان پر بلا کر ہمیں رسوا کر دیا مگر فی الحقیقۃ اس مولود سے بہت نفع ہوا، بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ منکرین مولود سرے سے مولود ہی کے منکر ہیں، چنانچہ بہت سے لوگوں کے دلوں سے یہ بات نکل گئی۔

(۷) فرمایا حق تعالیٰ جس کے دل سے کبر نکالدے تو سب کچھ ہے۔

خلفاء و مجازین

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ کے فیض تربیت نے جن لوگوں کو اقصائے مراتب پر پہنچایا وہ یہ حضرات ہیں۔

(۱) حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ

(۲) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

(۳) حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ

(۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ

(۵) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد مدنیؒ

(۶) حضرت مولانا الحاج محمد روشن خاں صاحب مراد آبادیؒ

(۷) حضرت مولانا الحاج محمد صدیق صاحب مہاجر مدنی، الہ آبادیؒ

(۸) مولانا الحاج حکیم محمد اسحٰق صاحب نہٹوری۔ نور اللہ مراقدہم۔

ان کے علاوہ تقریباً بائیس، تیئیس کے قریب حضرات اور بھی ہیں جو بارگاہ رشیدی کے تربیت یافتہ اور اس دربار گوہر بار سے اجازت یافتہ ہیں، جن کے اسماء تذکرۃ الرشید میں مذکور ہیں، ہمارے سلسلہ میں چونکہ حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا نام مبارک آتا ہے۔ اس لئے اب ان کی زندگی کے پیارے حالات سپرد قلم کیے جاتے ہیں!!

---

(۴۲) حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

حافظ القرآن والحدیث حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی ایوبی انصاری کی ولادت باسعادت اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں انبہٹہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی مبارک النسا مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی بیٹی تھیں، عمر مبارک نے جب پانچویں سال میں اپنا قدم رکھا تو آپ کو مکتب میں بٹھا کر قاعدہ شروع کرا دیا گیا۔ تبرکاً بسم اللہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نے کرائی۔ فطرتاً ذہین اور ذکی ہونے کی وجہ سے بہت جلد قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا، ابتدائی کتب اردو، فارسی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں مختلف علمائے قصبہ سے پڑھیں اس کے بعد اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کے ساتھ گوالیار تشریف لیگئے اور وہاں پہونچکر میزان الصرف، صرف میر، اور پنج گنج سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد محترم شاہ مجید علی صاحب ترک ملازمت کر کے وطن چلے آئے تو آپ کو گوالیار سے واپس بلا لیا۔ اور اپنی نگرانی میں رکھ کر آپ کی تعلیم مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی کے حوالہ کر دی، اس درمیان میں آپ کے بعض اعزہ نے اصرار کر کے آپ کو انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا۔ ہر چند کہ اس تعلیم سے بنیادی سے آپ کو لگاؤ نہیں تھا اور اپنے حق میں اس کو وبال سمجھتے تھے مگر بڑوں کی تعمیل حکم میں انگریزی شروع کر دی مگر دل اچاٹ اور طبیعت رنجیدہ رہتی تھی اور

وہ طبیعت جو علوم عربیہ کی متلاشی اور علم دین کی خوگر ہو چکی تھی وہ انگریزی تعلیم کو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر رہی تھی، جی چاہتا تھا کہ کاش دینی تعلیم کا کوئی بہترین نظام بن جائے تو انگریزی سے چھٹکارا ملے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ماہ محرم سنہ ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا اور اس کے صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب منتخب ہوئے تو پھر آپ نے انگریزی تعلیم کو خیرباد کہا اور والدین سے اجازت لیکر دیوبند تشریف لائے اور کافیہ وغیرہ سے دینی تعلیم شروع کی۔

دار العلوم کے قیام کے چھ ماہ بعد رجب سنہ ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور یہاں بھی حضرت اقدس کے دوسرے ماموں حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس و خلیفہ مجاز حضرت اقدس گنگوہی تجویز ہوئے، آپ کے مبارک ہاتھوں چونکہ مظاہر علوم کو پروان چڑھنا تھا اسلئے قدرت کو یہی منظور ہوا کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی مظاہر کے خوشہ چیں اور اسکے تربیت یافتہ ہوں، چنانچہ آپ دار العلوم سے مظاہر علوم میں چلے آئے اور مختصر المعانی کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ اسکے بعد اخیر تک جملہ علوم عالیہ و دینیہ، فقہ، تفسیر حدیث مظاہر علوم ہی رہ کر پڑھیں اور فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں تین ۳/ روپے ماہانہ پر معین مدرس مقرر کر دیئے گئے۔ یہ سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق سنہ ۱۸۷۱ء کا سال ہے جب کہ حضرت قدس سرہ کی عمر مبارک انیس ۱۹ سال کی تھی۔

اسکے بعد آپ علوم ادبیہ حاصل کرنے کیلئے ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا فیض الحسن صاحب کی خدمت میں تشریف لیگئے جو اس وقت اورینٹل کالج

لاہور کے پروفیسر اور علوم مشرقیہ کے ایک مانے ہوئے استاذ تھے۔ لاہور چند
ماہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے آئے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے
امتثال امر میں قاموس کا اردو ترجمہ کرنے کیلئے منصوری پہاڑ پر دس روپے
مشاہرہ پر تشریف لیگئے۔ وہاں دو تین ماہ قیام کی نوبت آئی تھی کہ منگلور کے
مدرسہ عربیہ میں مدرس کی طلب ہوئی اور آپ کو صدر مدرس بنا کر وہاں بھیجدیا گیا۔
چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ولایت خاصہ آپ کے مقدر میں لکھی تھی اور شیخ
طریقت ہونا آپ کیلئے تقدیری چیز تھی۔ اس لئے منگلور کے زمانہ قیام میں اس
پیر حقیقی کی طلب کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا۔ جس کی تفصیل خود تذکرۃ الرشید
میں حضرت نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

اتفاقاً انہی ایام میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رڑکی تشریف
لائے اور حسب استدعائے بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا۔ بندہ نے شب کو
تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار موتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجھ کو خیال بیعت ہے
ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں، آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا
شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب، میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا
بہتر ہے، اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا
بہتر ہو تو مجھ کو اپنی خدمت میں قبول فرمایئے ورنہ جو امر میرے لئے بہتر ہو مجھ کو
فرمایئے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا نے طویل تقریر فرمائی جس کا نتیجہ یہ تھا
مولانا رشید احمد صاحب سے اس وقت کوئی بہتر نہیں ہے میں نے عرض کیا
وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں آپ ہی اگر سفارش فرمادیں گے تو یہ

امر طے ہو گا۔ فرمایا اچھا جب میں گنگوہ آؤں اس وقت چلے آنا، چنانچہ میں متلاشی رہا۔ چند روز بعد مجھ کو حضرت مولانا کے گنگوہ جانیکی خبر معلوم ہوئی میں بھی فوراً پہنچا اور عرض کیا الکریم اذا وعد وفی۔ تبسم کر کے فرمایا کہ بہتر ہے پھر صبح کو۔ ..... حضرت سے باتیں کر کے مجھ کو بلایا، میں حجرہ میں حاضر ہوا، مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے سلام کر کے بیٹھ گیا، حضرت امام ربانی نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا کہ مجھ سے تو یہ جلاہے وغیرہ مرید ہو جاتے ہیں اور تم خود پیر زادہ ہو اور چناں ہو چنیں ہو، تم مجھ سے کیوں بیعت ہوتے ہو۔ کچھ تو مجھ پر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش اڑا دیئے۔ اور بجز اس کے کچھ عرض نہ کر سکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر و حقیر ناکارہ ہوں فرمایا کہ بس بس اچھا استخارہ کر لو۔ میں مسجد میں آتا ہوں، میں نے اسی وقت مسجد میں جا کر وضو کر کے دو رکعتیں پڑھکر دعاء استخارہ مسنونہ پڑھیں، اتنے میں حضرت تشریف لائے، فرمایا کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے غلامی میں داخل فرمالیجئے، چنانچہ حضرت نے توبہ کرائی اور سلسلہ غلامی میں داخل فرمالیا۔

اسی دوران میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ملازمت کے لئے تین سو روپے مشاہرہ پر مولانا جمال الدین صاحب مدار المہام کی جانب سے اصرار ہوا، باوجودیکہ اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب تیس روپے مشاہرہ پر دیوبند میں ملازم تھے مگر انکار کر دیا، اس پر مدار المہام صاحب کا اصرار ہوا۔ کہ حضرت اپنے کسی معتمد کو بھیجدیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت اقدس سہارنپوری

کو تجویز فرما کر حضرت گنگوہی کی اجازت کے بعد ۱۲۹۳ھ میں پچاس ۵۰ روپے مشاہرہ پر بھیجدیا مگر آب و ہوا کی ناموافقت اور نیز اس بنا پر کہ انوار و تجلیات کی جو بارشیں خطۂ دیوبند و سہارنپور اور ان کے نواح میں تھیں وہاں نہ مل سکیں اسلیے حضرت امام ربانی سے استعفاء دینے کی اجازت چاہی۔ حضرت امام ربانی نے جو جواب تحریر فرمایا تھا وہ یہ تھا۔

برادرم مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم!

بعد سلام مسنون! مطالعہ فرمایند آج خط آیا حال معلوم ہوا۔ درصورتیکہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا کہ ہوا ناموافق ہو ترک کرنا بحکم حدیث ثابت ہے مگر چونکہ معاش کا قصہ نازک ہے۔ لہٰذا جب تک دوسری جگہ سامان نہ ہو جائے ترک مناسب نہیں۔ اس واسطے چندے وہاں کا قیام مناسب ہے۔ مراد آباد میں آپ کی طلب بہت رہی، اب وہاں مولوی عبد الحق پوری آگئے ہیں مگر جیسا چاہیے ویسا کام ان سے نہیں ہوتا اگر مناسب ہوا وہاں یا دوسری جگہ کہ تدبیر اسکی کرتا ہوں تجویز ہو کر مطلع کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ، فقط ۱۸ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ بروز جمعہ۔

حضرت سہارنپوری امام ربانی کے تعمیل ارشاد میں بھوپال میں قیام پذیر رہے حج کا موسم آنے پر حضرت پر حاضری حرمین کا شوق و جوش سوار ہوا اور رخصت کی درخواست دیدی اور روانہ ہو گئے۔ مکہ مکرمہ پہونچکر سید الطائفہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور اس عالی دربار کا تو پوچھنا ہی کیا کہ انوار باطنیہ سے لطف اندوز ہو گئے۔ یہ حضرت کا پہلا سفر حج تھا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ پاک

حاضری ہوئی۔ مدینہ پاک کا راستہ اس وقت بہت خطرناک تھا بڑی قتل وغارت گری ہو رہی تھی۔ اس بنا پر اعلیٰ حضرت نے آپ کا عندیہ دریافت کرنے کیلئے فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے۔ سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں اسلئے حجاج بکثرت واپس وطن جارہے ہیں۔ حضرت نے جواباً فرمایا اور عجیب ہی عاشقانہ جواب دیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقدر و مقرر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا۔ اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہیے کیا اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہانتک پہنچا دیا اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا؟ یہ جواب سن کر حضرت کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرمایا بس بس تمھارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ۔ اور انشاء اللہ پہنچو گے چنانچہ بڑے اطمینان اور خیر و عافیت سے مدینہ طیبہ پہنچے تقریباً دو ہفتہ قیام فرما کر بخیریت تمام وطن پہونچ گئے۔ سفر سے مراجعت کے بعد آپ نے بھوپال کا ارادہ نکال دیا اور چند روز اپنے وطن انبہٹہ رہ کر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں سکندر آباد ضلع بلند شہر تشریف لیگئے اور وہاں عربی مدرسہ میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔

ہمارے حضرات اکابر نور اللہ مرقدہم و اعلی اللہ مراتبہم سے اہل بدعت کو جو پرخاش بغض و عناد کی حد تک ہے اس نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مبتدعین کی طرف سے مخالفت اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ حضرت نے امام ربانی کی خدمت میں پورے حالات لکھ کر اجازت چاہی کہ

مستعفی ہوکر واپس آجائیں مگر حضرت نے اسے قبول نہیں فرمایا اور تحریر فرمایا کہ
مولوی خلیل احمد صاحب دام فیوضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
آپ کے نامہ نے ورود کیا حال معلوم ہوا۔ قصہ جدید سے کچھ آپ وحشت نہ کریں
عالم میں موافق و مخالف دونوں ہوتے ہیں۔ آپ اپنا کام کئے جائیں، اگر مخالف
در سرپرخاش ہیں تو موافق بر سر نگہداشت ہیں جب تک ہو اپنی طرف سے ترک
خدمت مت کرو، رہا اطفال کا اور ہر بیوہ وریثہ اطفال کا لینا جائز ہے۔ کچھ اندیشہ
نہیں، پہلے خط میں لکھنا سہو ہوا تھا۔ فقط۔ مکرر اس شکایت کی رفع اور
تکذیب میر قادر علی سے اگر مناسب ہو کسی کی زبانی کرادیجئو۔ گو نافع نہ ہو اپنی
طرف سے سب کو راضی رکھنا بہتر ہے شاید کچھ نافع ہوجائے۔ قال اللہ تعالےٰ،
فبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لہم الخ۔ مگر اس فرقہ کا راضی ہونا متوقع نہیں۔
خصوصاً جب واعظان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں۔

فقط والسلام، روز جمعہ ۱۶ جمادی الثانیہ ۹۴ھ (۲۹ جون ۱۸۷۷ء)

ارباب سکندر آباد کا جب عناد حد سے فزوں تر ہوگیا تو حضرت امام ربانی کی
اجازت پر آپ استعفا دیکر واپس تشریف لے آئے۔ حسن اتفاق سے اسی سال
ہندوستان سے اکابر دین کا قافلہ حرمین شریفین کیلئے روانہ ہوا، حضرت سہارنپوری
نے ان کی معیت میں جانے کیلئے حضرت امام ربانی سے اجازت چاہی مگر انتظامی
مشکلات کی وجہ سے حضرت نے انکار فرمادیا اور اجازت نہیں دی۔ یہ قافلہ
ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں واپس آیا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب جو اس قافلہ
کے ایک رکن تھے ان کو حجاز سے واپسی پر مولانا شمس الدین صاحب حنفی جو والیہ

کا ایک خط ملا کہ ایک قابل ہمہ اوصاف مدرس کی ضرورت ہے جس کی صورت ہی سے طلبا نیک روی اور نیک چلنی کا سبق حاصل کریں، قرعۂ فال حضرت اقدس سہارنپوری کے نام نکلا اور آپ تیس (۳۰/-) روپے مشاہرہ پر بھاولپور تشریف لیگئے، یہیں بھاولپور سے حضرت دوسرے سفر حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس روانگی کی تاریخ حضرت نے اپنی بیاض میں جو تحریر فرمائی وہ یہ تھی روانگی جانب بیت اللہ چوبیس شوال ۱۲۹۶ھ بروز پنجشنبہ۔

اسی مبارک سفر میں آپ کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے خلافت و اجازت مرحمت فرمائی اور محرم ۱۲۹۷ھ میں خلافت نامہ اپنی مہر کے ساتھ مزین فرما کر عطا فرمایا اور بکمال مسرت کے ساتھ اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر حضرت سہارنپوری کے سر پر رکھدی۔ حضرت نے واپس آکر یہ دونوں عطیے امام ربانی کی خدمت میں پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے۔ حضرت امام ربانی نے جواباً فرمایا کہ تم کو مبارک ہو اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرما کر دستار کے ساتھ آپ کو خود عطا فرمایا۔

یہ حضرت کا دوسرا حج تھا اس کے بعد سے بقیہ تمام حج سہارنپور ہی سے ہوئے جن کی مختصر سی تاریخ ترتیب وار درج کی جاتی ہے۔

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کے حادثۂ انتقال کا اثر حضرت سہارنپوری کے قلب مبارک پر جتنا ہونا چاہیئے تھا وہ ظاہر ہے اور اس کا علاج اور سامانِ تسلی صرف روضۂ اقدس کی حاضری ہی سے ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آپ وسط شوال ۱۳۲۳ھ میں روانہ ہو کر بائیس ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور حج کے بعد سات

حرم کو مدینہ منورہ پہونچکر قیام فرمایا۔ اس سفر میں خفیہ پولیس آپ کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہی اور ہر حرکت اس نے قلمبند کی۔ ان حالات سے متاثر ہو کر آپ نے ترکی افسر سے فرمایا کہ عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہم کو بہ حیثیت اتحاد مذہب ترکی کا خیر خواہ سمجھ کر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کیلئے کونسا ملک ڈھونڈیں اسکا کوئی جواب اس کو بن نہ پڑا اور آپ نو مہینے قیام فرمانیکے بعد شوال ۳۴ھ میں واپس تشریف لے آئے۔

چوتھا حج آپ کا ۱۳۳۸ھ میں ہوا جس کی صورت یہ پیش آئی کہ اس مرتبہ حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم اپنے خدام اور رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ حج کے لیے تشریف لیگئے۔ حضرت اقدس سہارنپوری مشایعت کی غرض سے دہلی تک تشریف لیگئے۔ وہاں پہونچکر آپ پر بھی حاضری حرمین کا شوق پیدا ہوا۔ شاید اسی کا اثر عالی جناب شاہ زاہد حسین صاحب پر ہوا کہ انھوں نے حضرت سہارنپوری پر اصرار کیا کہ آپ بھی اگر اس سفر میں ہمراہ چلیں تو میں بھی ہمرکابی میں چلوں۔ شاہ صاحب کے شدید اصرار پر حضرت نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور وسط ذیقعدہ میں سہارنپور سے روانہ ہو کر چھٹی ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور حج کے بعد ینبوع کے راستہ سے مدینہ منورہ حاضری ہوئی، بائیس دن وہاں قیام فرما کر آخر صفر ۱۳۳۹ھ میں سہارنپور واپس تشریف لائے۔

پانچواں حج وہ حج ہے جو تاریخی اعتبار سے بڑا معرکۃ الآراء ثابت ہوا۔ یہ شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند کی معیت میں ہوا۔ یہ معیت اگرچہ ابتداء

سفر میں نہ ہو سکی. لیکن سفر سے قبل ایک ہفتہ تک یہ چار حضرات، حضرت اقدس سہارنپوری حضرت شیخ الہند، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا الحاج حکیم احمد صاحب رامپوری صبح اشراق کے فوراً بعد مظاہر علوم کے کتب خانہ میں پہنچ جاتے اور تخلیہ میں اپنے پیش آمدہ مسائل باہم ملکر حل فرماتے کسی پانچویں شخص کو جانیکی اجازت نہ ہوتی تھی، ظہر کی اذان سے کچھ دیر پہلے یہ حضرات کتب خانہ سے تشریف لاتے اور کھانے سے فارغ ہو کر نماز ادا کرتے اور پھر فوراً ہی خلوۃ گاہ میں پہونچکر عصر تک مشغول رہتے۔

ہر شخص اس تحقیق میں لگا رہتا تھا کہ یہ مشورہ کس بات کا ہو رہا ہے. مگر کسی کو پتہ نہ چلتا. اس طویل مشورہ میں جو بات تجویز ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت اقدس شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کے سفر حج کے دوران انکی چلائی ہوئی تحریک کے نگراں اور اسکے اجرا و بقاء کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ ہوں گے۔ اس سفر کے لیے روانگی شوال ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔ وہاں پہونچکر شریف حسین کی اذیتوں اور تکلیفوں کی وجہ سے قیام مشکل ہوا تو حج سے پہلے ہی شوال ۱۳۳۴ھ میں وہاں سے چلنا تجویز ہوا. چنانچہ مکہ مکرمہ سے آخر شوال میں روانگی ہوئی اور آٹھ ذیقعدہ کو حضرت کا جہاز بمبئی پہنچا. بمبئی اترتے ہی آپ مع اہلیہ محترمہ اور ان کے بھائی حاجی مقبول احمد صاحب کو حراست میں لے لیا گیا اور نینی تال پہنچا دیا اور کئی دن تک پوچھ تاچھ رہی اس کے بعد آپکو رہا کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر آپ کو مبتدعین وغیرہ کی جانب سے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ آپ کو گورنمنٹ کا تنخواہ دار بتلایا گیا۔ مگر آپ تو

صبر و تحمل کے پہاڑ تھے جب بھی کوئی شخص آپ کے سامنے یہ الزامات دہراتا اور بتلاتا کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں تو آپ ہنسکر خاموش ہو جاتے، کبھی فرما دیتے کہ میاں بندہ کا معاملہ خدا سے صاف ہونا چاہیئے دنیا کو کہنے دو جو چاہے کہے میرا کیا بگڑتا ہے کچھ گناہوں میں ہی کمی ہو گی۔

آپ کا چھٹا حج ۳۸ھ میں ہوا سہارنپور سے دو شعبان کو روانگی ہوئی اس سفرِ حج کے موقعہ پر یہ شہرت پھیل گئی کہ آپ بقصد ہجرت تشریف لیجا رہے ہیں اور اب آمد نہیں ہو گی۔ اس شہرت کا اثر یہ ہوا کہ مجمع بڑی کثرت سے آیا۔ اس سفر میں اس ناکارہ کے علاوہ جو خصوصی حضرات ہمرکاب ہوئے وہ یہ تھے۔

مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ، قاری عبدالعزیز صاحبؒ، مولوی لطیف الرحمن صاحبؒ، مولوی محمد اسحٰق صاحبؒ، مولوی حبیب احمد نانوتی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحبؒ۔ بمبئی میں اس زمانے میں دیوبندیوں کا علی الاعلان قیام کرنا بڑا مشکل تھا، بدعتیوں کی طرف سے جان تک کے لئے خطرات لاحق رہتے تھے۔ چنانچہ اس سے قبل حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ پر اہل بدعة کی جانب سے قاتلانہ و ظالمانہ حملہ ہو چکا تھا۔ اسلئے بمبئی کے مخلص خدام نے شہر سے بارہ میل دور قبرستان میں خیمے قائم کر کے وہاں قیام کا انتظام کیا تھا۔

حضرت کا ارادہ مکہ مکرمہ میں رمضان کرنیکا تھا۔ مگر جہاز ملنے میں بڑی تاخیر ہوئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت کے ساتھ مجمع تقریباً تین سو کے قریب تھے اور تمام رفقا کو ہمراہ لیئے بغیر حضرت سفر کرنیکو پسند نہ فرماتے تھے اسلئے دو جہاز چھوڑ دیئے اور تیسرا جہاز جو اس وقت تک بالکل خالی تھا سب رفقاء نے اسی کے ٹکٹ لیئے اور

روانہ ہو گئے۔ گیارہ رمضان کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہ زمانہ بڑا تنگ و تاریک تھا۔
شریف حسین کی حکومت آخری مرحلہ پر تھی۔ ہندوستانی علماء مشتبہ نظروں سے دیکھے
جاتے تھے، اسلئے حضرت مولانا محب الدین صاحب خلیفہ اجل اعلیٰ حضرت حاجی
امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، مولانا آپ یہاں کہاں آگیا۔ ہمارے
یہاں تو قیامت کبریٰ آنیوالا ہے اور اصرار فرمایا کہ جلد ہی واپس ہندوستان
چلے جاؤ۔ نہ معلوم مزید قیام کے دوران کیا حالات پیش آئیں۔ چنانچہ آپ آخر
محرم ۱۳۳۹ھ میں وہاں سے روانہ ہو کر شروع صفر میں سہارنپور تشریف لے آئے۔

ساتواں حج جو عمر شریف کا آخری حج ہے ۱۳۴۴ھ میں ادا فرمایا۔
سفر کے دوران حیدرآباد کے مخلصین کا اصرار ہوا کہ چند روز حیدرآباد قیام فرمائیں
چنانچہ ۱۶ سولہ شوال کو سہارنپور سے حیدرآباد کے لئے روانگی ہوئی۔ اس ناکارہ کا
حیدرآباد تک جانا طے تھا۔ مگر اسٹیشن پہنچنے کے بعد جب کہ گاڑی میں بیٹھ چکے
تھے۔ اور روانگی تقریباً ہو چکی تھی یہ یاد آیا کہ وہ بکس جس میں بہت سے لوگوں کی
امانتیں تھیں اور کرایہ وغیرہ تھا وہ مدرسہ ہی میں رہ گیا۔ اسلئے اسکو ہمراہ لانیکی
غرض سے اس ناکارہ کا سفر اس گاڑی سے مؤخر ہو گیا۔ اور دوسرے دن اسی
گاڑی سے وہ سامان ہمراہ لیکر حیدرآباد کے لئے روانہ ہوا۔ حضرت اقدس سہارنپور سے
۲۵ پچیس شوال مطابق ۸ مئی شنبہ کی صبح کو ۹ نو بجے حیدرآباد سے روانہ ہو کر یکشنبہ
کی صبح کو بمبئی پہنچے اور وہاں سے سات ذیقعدہ مطابق بیس مئی پنجشنبہ کو زبانی
جہاز سے روانہ ہو کر ۱۷ سترہ ذیقعدہ کو قرنطینہ کی غرض سے کامران اترے اور
۱۸ اٹھارہ کو وہاں سے روانہ ہو کر ۲۱ اکیس کو جدہ پہنچے اور وہاں سے اونٹوں کے

ذریعہ روانہ ہوکر چھبیس ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ چند روز مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد بائیس ذی الحجہ مطابق دو جولائی ۱۹۲۶ء شنبہ کو مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی اور راستہ میں مختلف مواقع پر ٹھیرتے ہوئے آٹھ یا نو محرم دوشنبہ کی صبح میں چاشت کے وقت مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتکریماً میں داخل ہوئے اور مدرسہ شرعیہ میں قیام فرمایا۔

معمولات مدینہ کے قیام میں حضرت کا شبانہ روز کا معمول یہ رہا کہ صبح اشراق کی نماز کے بعد حضرت اپنے دار التالیف میں تشریف لیجاتے۔ اور ہندوستانی وقت کے مطابق تقریباً گیارہ بجے نہایت اطمینان و یکسوئی کے ساتھ بذل المجہود کا املا کراتے، وہیں کھانا آجاتا، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت زنانہ مکان میں تشریف لیجاتے۔ زوال سے تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان ہوجاتی، اور چند منٹ بعد نماز سے فارغ ہوکر تقریباً ایک گھنٹہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اسکے بعد کتاب وفاء الوفاء دیکھتے۔ عصر کی نماز ایک مثل پر ہوا کرتی تھی۔ جس سے فراغ پر حضرت مولانا سید احمد صاحب کے مکان پر مغرب تک تشریف فرما ہوتے، جس میں مقامی بہت سے علماء شرکت کرتے، یہ مجلس عام مجلس کے طرز پر ہوا کرتی تھی اور سبز چائے پی جاتی۔ جب شعبان ۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود کی تالیف سے فراغت ہوگئی تو پھر صبح کا وقت وفاء الوفاء اور دیگر کتب کے مطالعہ میں خرچ ہوتا۔

رمضان المبارک میں حضرت کے تمام معمولات تقریباً ختم ہوگئے۔ اور پورا دن قرآن پاک کی تلاوت کے لئے خالی کرلیا۔ چنانچہ صبح کو اشراق کے بعد دیر تک تلاوت فرماتے اور تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد زوال سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے

اور ظہر بعد واپس مکان پر تشریف آوری ہوتی، بعد ظہر اس ناکارہ کو قرآن پاک سناتے۔ اور معمول کے مطابق بعد نماز عصر مولانا سید احمد صاحب کی قیامگاہ پر تشریف لاتے اور وہیں کھجور و زمزم سے روزہ افطار کرتے، مغرب کی نماز کے بعد مدرسہ علوم شرعیہ کی چھت پر تشریف لیجاتے اور نوافل میں اس ناکارہ کو دو سیپارے سناتے اتنے میں عشاء کا وقت شروع ہوتا نماز عشاء سے فارغ ہو کر پھر اسی جگہ آتے اور قاری محمد توفیق صاحب کی اقتدا میں تراویح پڑھتے۔ یہ نماز بڑے اطمینان سے ہندوستانی وقت کے مطابق سوا بارہ بجے ختم ہوتی تھی۔ اسکے بعد عربی چھ بجے کے قریب آرام فرماتے تھے اور اس ناکارہ کے لئے حکم تھا کہ آٹھ بجے اٹھا دینا۔ مگر ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت کو بیدار کرنا پڑا ہو۔ بلکہ جب بھی میں پہنچا حضرت کو بیدار پایا۔ اس کے بعد مدرسہ میں پڑھنے والے دو طالب علموں سے قرأۃ نافع میں علیحدہ علیحدہ دو پارے سنتے۔ کیونکہ حضرت کو ایک طویل عرصہ سے قرأۃ نافع کے سننے کا بڑا شوق تھا۔ چونکہ تسلسل قائم رکھنے کے خیال سے جملہ حجوں کی تفصیل ایک ساتھ تحریر کی گئی ہے۔ اس لئے اب آخیر میں حضرت اقدس کی مختلف مقامات کیلئے روانگی اور وہاں کی تعلیم وتدریس کو مختصراً لکھا جاتا ہے۔ بھاولپور میں حضرت کا قیام گیارہ سال تک رہا اس کے بعد بریلی تشریف لاکر کچھ چند سال یہاں قیام فرمایا۔ اسکے بعد ۱۳۰۸ھ میں مدرس دوم بن کر دار العلوم دیوبند میں رونق افروز ہوئے اور چھ سال وہاں قیام فرماکر آٹھ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو مظہر ثانی بن کر مظاہر علوم میں تشریف لائے اور آخیر عمر تک یہیں رہے۔

علالت اور وفات

رمضان المبارک کے اختتامی ایام میں حضرت پر فالج کا حملہ ہوا جس کیوجہ سے چلنا پھرنا بھی دشوار ہوگیا۔ کبھی افاقہ ہوجاتا اور کبھی شدت۔ عید الفطر کے روز بھی طبیعت علیل رہی نماز کیلئے حرم میں بھی تشریف نہ لیجا سکے۔ بعد میں کچھ افاقہ ہوجانیکی بنا پر لکڑی کے سہارے سے حرم شریف تک تشریف لیجانے لگے تھے۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ کے پہلے ہفتہ میں سینے میں درد ہوا جو مالش وغیرہ سے تقریباً جاتا رہا۔ دوسرے ہفتہ کے شروع میں بعض علمائے مدینہ کی درخواست پر عصر کی نماز کے بعد ابوداؤد شریف کا سبق بھی مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ پر شروع کرادیا شنبہ یکشنبہ کو سبق ہوا۔ دوشنبہ کے دن جب ظہر کی نماز سے واپس آئے تو راستہ میں سینہ کے اوپر کے حصہ میں کچھ درد محسوس ہوا۔ گھر پہونچکر مالش اور سینک ہوئی عصر کے وقت تک درد تو بہت کم ہوگیا مگر ضعف و نقاہت بہت بڑھ گئی۔ حرم شریف جانیکی بھی ہمت نہ رہی۔ اس روز کی عصر مکان پر مولانا سید احمد صاحب کی اقتدار میں پڑھی اور ضعف کے باوجود کھڑے ہوکر پڑھی۔ جب بدن میں حرارت کے بجائے خنکی اور پسینہ آگیا تو ہمت نے بالکل ہی جواب دیدیا اسلئے مغرب کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ عشاء کی نماز کے لیئے نیچے اترنا مشکل ہوگیا۔ اس لیئے پلنگ پر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ کرب و بے چینی کے ساتھ ساتھ ضعف بھی بڑھتا رہا اور تمام رات کلمہ و استغفار اور درود شریف زبان پر رہا، سہ شنبہ کی صبح میں نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھ کر ادا فرمائی۔ دن میں دواؤں کا اہتمام رہا مگر کچھ اثر نہ ہوا، ظہر کے وقت اتنا ضعف بڑھا کہ وضو کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ اسلیئے

تیمم فرما کر پلنگ پر نماز ادا فرمائی۔ اسکے بعد ہوش و حواس میں اختلال ہو گیا، حتی کہ عصر کی نماز میں امام کی آواز پر خود رکوع نہیں کیا بلکہ جب حاجی مقبول صاحب نے رکوع کا لفظ کہہ کر اشارہ کیا تو رکوع کیا اور جب سجدہ کو کہا تو سجدہ کر لیا۔ اسطرح چار رکعات پوری کر کے آپ کو لٹا دیا گیا۔ اسکے بعد خاموشی بڑھتی رہی۔ مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو بالکل غفلت تھی۔ نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی مگر کچھ جواب نہ ملا اور نہ اٹھنے کی طاقت محسوس ہوئی اسلئے خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھی مگر اسی انتظار میں رہے کہ کچھ افاقہ ہو تو نماز کے لئے عرض کیا جائے۔ لیکن دنیا سے تعلق بالکل منقطع ہو چکا تھا اور سوائے پاس انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی اور نہ کسی بات کا جواب، پورے چوبیس (۲۴) گھنٹے اس عالم خموشی میں گذار کر پندرہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ چہار شنبہ کو باواز بلند اللہ اللہ کہتے ہوئے رخصت ہو لیئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وقت اگرچہ تنگ تھا مگر غیب سے ہر سامان کا انتظام ہو گیا۔ سید احمد نواب صاحب مرحوم نے نہلایا ابو السعود نے پانی دیا جلدی جلدی جنازہ تیار ہوا۔ اور آستانۂ محمدیہ پر باب جبرئیل کے باہر نماز جنازہ ہونیکی جگہ لا رکھا گیا۔ نماز مغرب کے بعد مولانا شیخ محمد طیب صاحب مدرس مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ للہ ما اخذ ولہ ما اعطی !!

چند متفرق واقعات

(۱) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی روایت ہے کہ جب ۱۳۲۸ھ میں حضرت حج کیلئے تشریف لیگئے اور مسجد حرام میں طواف قدوم کے لئے آئے تو میں حضرت مولانا محب الدین صاحب

(خلیفہ اجل اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ) کے پاس بیٹھا تھا۔ اور اس وقت مولانا محب الدین صاحب درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا درود پڑھ رہے تھے۔ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت حرم میں کون آگیا کہ سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا اتنے میں حضرت طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کیلئے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس کو آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست گاہ تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنسکر فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آگیا۔ یہ کہہ کر مصافحہ و معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے بڑھ گئے اور مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے۔

(۲) یہی مولانا ظفر احمد صاحب راوی ہیں کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں چھ سال رہا مجھے یاد نہیں کہ حضرتؒ کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے ہوئے آپ کے دانتوں میں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کیجائے۔ کیونکہ میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا۔ اس روز بیشک عذر کی وجہ سے حضرت کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی۔

(۳) حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال پر مخلوق پریشان تھی۔

جمعہ کا وقت تھا۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا آہ وزاری کر رہا ہے اور حضرت کا عاشق و دلدادہ بنا ہوا پکار رہا ہے کہ ہائے مجھے حضرت کی زیارت تو کرا دو۔ لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہو گیا۔ مگر اس کو حضرت کا جان نثار محب سمجھتے تھے اسلئے کچھ نہ بولے، حضرت نے مسجد میں جاکر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر باہر تشریف لاکر غصہ کیساتھ اسکو ڈانٹا کہ میں ہی تو ہوں مجھے بہت صدمہ ہے، میں جانتا ہوں تو حضرت کا عاشق ہے پھر فرمایا اس کو مسجد سے باہر نکالدو۔ یہ نہ حضرت کا خادم ہے اور نہ اسکو حضرت سے محبت ہے۔ حاضرین کو تعجب ہوا کہ ایسے عاشق بیتاب کے متعلق کیا فرما رہے ہیں مگر۔

ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست۔

بعد میں تحقیق ہوا کہ کوئی بدعتی تھا جو ہاتھ میں اس قسم کا پاؤڈر لگا کر آیا تھا کہ چہرے پر ملنے سے سیاہ ہو جائے۔ یہ حضرت اقدس گنگوہی کی کرامت اور حضرت اقدس سہارنپوری کی فراست تھی کہ وہ اپنی روسیاہی کی چال نہ چل سکا اور مسجد سے نکال باہر کر دیا گیا۔

(۴) مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں ایک دفعہ دیہاتی مہمان امید سے زائد آگئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبرائے کہ نہ تیار کرانیکا وقت ہے۔ کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فارغ ہوئے تھے اور نہ ہی جنس وغیرہ کا کوئی انتظام ہے۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ نے یہ حالت حضرت سے عرض کی۔ فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ حضرت نے تشریف لاکر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے برکت کی دعا فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ پر سے

ہٹا دیا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے۔ الحمدللہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہت سارا بچ گیا۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ مولوی عبداللہ جان صاحب وکیل کے پاس جانے لگے مولانا ظفر احمد صاحب کو اپنے ساتھ لیا۔ راستہ میں ان کے قلب میں خیال آیا کہ حضرت ایسے جنٹلمینوں کے پاس از خود کیوں تشریف لیجاتے ہیں اگر وہ التجا اور درخواست کرتے تو مضائقہ بھی نہیں تھا، فوراً حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مولوی عبداللہ جان کا دل بہت اچھا ہے گو ظاہر دنیا داروں جیسا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب پر یہ سنکر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

(۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سیوہاروی سفر حج سے قبل حاضر خدمت ہوئے تو خیال ہوا کہ مسلسلات کی اجازت حضرت مجھے بھی عطا فرما دیتے، حضرت نے ادھر توجہ کر کے فرمایا، مولوی حبیب الرحمٰن تم بھی طلبا میں جا کر بیٹھ جاؤ مسلسلات کی اجازت لیلو، خوشی سے پھولے نہ سمائے مگر ساتھ ہی خیال ہوا کہ صحاح کی اجازت بھی مل جاتی حضرت نے متوجہ ہو کر فرمایا صحاح کی بھی اوائل سناد و اجازت دیدونگا، یہ دوسری خوشی ہوئی مگر فکر ہوا کہ کوئی شناسا بھی نہیں کتابیں کس سے مانگوں تو تیسری بار پھر حضرت نے ان کی طرف رخ فرمایا اور کہا جاؤ کتب خانہ سے کتابیں لیلو۔ چنانچہ فرحاں و شاداں اٹھے اور حسب مراد اجازت حاصل کی۔

(۷) سہارنپور میں اہل اسلام اور آریوں کا مناظرہ ہوا، حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے فریقین کی تقریروں کو قلم بند کرنے کیلئے مولوی کفایت اللہ صاحب گنگوہی اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے

توصرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک نوجوان خوبصورت گیروی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالحق صاحب حقانی سے دور و تسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی۔ تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھ کر دیا کہ مسلمانوں کیطرف سے جب مناظر تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے۔ لہٰذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اسکی اطلاع کردو۔ صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھکر حضرت کی طرف سرکا دیا۔ اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکا لی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی۔ دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ وہ سادھو بیقرار ہوکر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا۔ بس پھر کیا تھا مسلمان مقرروں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا اور گیارہ آدمی مشرف باسلام ہوئے، اسی دن دوپہر کے کھانے میں حضرت نے فرمایا کہ اسکا تو مجھے بھی یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہیگا مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اسکا خوف ہر وقت اور ہر بشر کو ہے۔

(۸) ایک حاسد بریلوی نے خدام حرم نبوی کے افسر اعلیٰ کو جو ایک ترکی تھے حضرت کی طرف سے یہ کہہ کر مشتعل کیا کہ اس وقت حرم نبوی میں بیٹھا ہوا ایک شخص درس دیرہا ہے جو (معاذ اللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اچھا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بلکہ گستاخی کرتا ہے، ترکی افسر یہ سنکر جھلا گیا اور غصہ میں سرخ ہو کر باب الرحمۃ کے قریب پہنچا جہاں حضرت درس دیرہے تھے۔ حضرت کا چہرہ مبارک دیکھ کر ترکی افسر کا غصہ

یک لخت ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ دیر کھڑا ہو کر درس سنتا رہا، پھر بیساختہ بولا۔
یا شیخ اس وقت ایک شخص نے مجھ سے اس طرح شکایت کی ہے مگر میں آپ کی
صورت دیکھ کر سمجھ گیا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ وما ہذا وجہ کذاب۔ اور آپ کا چہرہ
جھوٹوں کا سا نہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ لوگ ہم پر اور ہمارے اکابر پر بہتان
لگاتے ہیں اور ہماری باتوں کو الٹ پلٹ کر غلط طور سے مشہور کرتے ہیں۔ ہم اپنا
اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں، افسر نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اور اپنا
با برکت درس جاری رکھیں۔

فرمودات و ارشادات

(۱) کسی خادم نے لکھا کہ حضرت ذکر بالجہر سے
شہرت کا اندیشہ ہی کہ لوگ کہیں گے بزرگ
ہو گئے اور ریا کا احتمال ہے۔ اسپر فرمایا انت ا. اللہ شہرت اور ریا کا اندیشہ نہیں
اس زمانے میں تو ایسے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا علم دین پڑھیں پاگل سمجھتے
ہیں پھر ریا کا کیا موقع ہے۔ ریا تو ان افعال میں ہوا کرتی ہے جو لوگوں کے نزدیک
اچھے سمجھے جاویں۔

(۲) فرمایا ذکر باوضو ہونا چاہیئے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت باوضو
رہنا چاہیئے اور اسم ذات ہو یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھیرا کر کرنا
چاہیئے۔ اور معنی کا بغور لحاظ رکھنا چاہیئے اور بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اٹھکر
تہجد کے بعد ذکر کرے کہ وہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے اور طبیعت پر اس
وقت سکون و انبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ میرا تعلق ڈاڑھی کے ساتھ ساتھ ہے، ڈاڑھی رہیگی

تو میرا تعلق بھی رہیگا اور یہ ختم ہے تو وہ بھی ختم ہے۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ نصرانیت کا لباس ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا عورتوں کا مردانہ وضع کا کھڑا جوتا پہننا۔ پردہ میں کمی کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں طاعون وہیضہ کی طرح وبار عام بن کر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے۔ الاماشاء اللہ۔ ان کے نزدیک گویا ڈاڑھی رکھنا شعار اسلام اور طریقہ محمدیہ ہی نہیں بلکہ اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہی۔ ایسی حالت میں حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔

(۵) فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیئے۔ تاکہ نورانیت پیدا ہو اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) فرمایا کرتے تھے ہدیہ و تحفہ صرف ان لوگوں کا قبول کرنا چاہیئے جو محبت یا دینی تعلق غرض جائز کی وجہ سے پیش کرتے ہوں اور ایسے لوگوں سے نہ لینا چاہیئے جو منصب اور عہدہ ملازمت کی وجہ سے یا ناجائز ضرورت پورا کرنیکو دیں۔

(۷) فرمایا جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام یا مشتبہ ہو ان کی دعوت وغیرہ بھی قبول نہ کرے مگر بلا وجہ مسلمانوں کے حالات میں تجسس بھی نہ چاہیئے۔

(۸) فرمایا مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو ماسوی اللہ کے خطرات سے خالی و محفوظ رکھنا۔ یہ جو محض آنکھیں بند کر کے اور گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اور عرف میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف مبتدیوں کو عادت ڈالنے کیلئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت ہو جائے اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت معتاد

ہو جاتی ہے تو وہ کیفیت مراقبہ قائم ہو کر ہمہ وقت جاری رہتی ہے اور کسی وقت منقطع
نہیں ہوتی۔

(۹) فرمایا غیر جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہیئے۔ بجز اسکے کہ اس کی
صلاح کی نیت ہو اور بشرطیکہ اسکی حالت روبا صلاح محسوس ہو۔

(۱۰) فرمایا جو عبادت تھوڑی ہو مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس
کثیر عبادت سے جو خلوص یا مداومت کے بغیر ہو بدرجہا بہتر ہے کہ عبادت و ریاضت کی
تمام برکات خلوص و مداومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

(۱۱) فرمایا تہجد کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ صالحین کا شعار ہے اور روحانیت کیلئے
بیحد مفید ہے، اگر شب میں فوت ہو جائیں تو بعد طلوع آفتاب بارہ[12] رکعات ادا کرے،

(۱۲) فرمایا طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا ومافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو
اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ بس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ
ہٹانا چاہیئے۔

(۱۳) فرمایا کشف قبور اور کشوف کو نیہ ہرگز قابل التفات نہیں کہ سب
اطفال سلوک کے کھیل ہیں۔ اکثر پرخطر اور قاطع راہ مقصود ہو جاتے ہیں۔

(۱۴) فرمایا سالک کیلئے دو چیزیں سخت مضر ہیں، بدعت کیساتھ تعلق اور
نعمت الٰہیہ کا کفران، اللہ والوں سے لپٹا رہے اگر ان کی محبت دل میں ہوگی تو
انشاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہ ہوگا اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہو تو خاتمہ
خراب ہونیکا بہت اندیشہ ہے اسلیئے کچھ بھی نہ کرے تو محض دخول سلسلہ بھی نفع سے خالی
نہیں۔"

(۱۵) فرمایا! شان حضور اور اتباع سنت میں جتنی ترقی ہوگی، اسی قدر قرب الٰہی بڑھیگا اور برکت ہوگی۔"

تصنیفات و تالیفات

حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ کو حق تعالےٰ شانہ نے ایک ہمہ صفت انسان بنایا تھا، انکا فیض جس طرح مظاہر علوم کی صورت میں جاری ہے اسی طرح ارشاد و تربیت کا ایک عظیم الشان سلسلہ آپ کی ذات سے وابستہ ہے اس کے علاوہ آپ کی یادگار وہ تالیفات ہیں جو بڑی تحقیق و جستجو اور مدتوں کتابوں کے عمیق مطالعہ اور غور و فکر کے بعد لکھی گئیں۔ ان میں سے بعض تصنیفات کسی خاص واقعہ سے متاثر ہوکر لکھی گئیں ہیں۔" ان سب تصانیف کو قدرے تعارف کیساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں دینی تعلیم سے فارغ ہوکر کچھ عرصہ تک آپ نے مظاہر میں درس دیا اسکے بعد اپنے ذاتی شوق و لگاؤ کی وجہ سے تحصیل ادب کیلئے لاہور تشریف لیگئے وہاں سے فراغ پر آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کو منصوری پہاڑ پر قاموس (عربی لغت کی مشہور کتاب) کا اردو ترجمہ کرنے کیلئے بھیجا۔ یہ اگرچہ آپ کی پہلی تالیف ہے مگر اسکے بارہ میں معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کس مرحلہ کو پہنچی اور اسکا کیا انجام ہوا، مکمل ہوگئی تھی یا غیر مکمل ہی رہی۔

(۲) جس زمانہ میں آپ مدرسہ دینیات بھاولپور کے صدر مدرس تھے تو ایک شیعہ مذہب سید چراغ شاہ آپ کے افسر بنائے گئے۔ تعصب اور گروہ بندی کے جذبہ سے متاثر ہوکر یہ شخص بار بار حضرت سے بحث و مناظرہ کرتا اور اہل سنت والجماعت پر اعتراضات کرتا، حضرت اقدس تو ماشاء اللہ مناظرہ کے مرد میدان تھے

خوب جوابات دیتے مگر اسکی روزافزوں چھیڑ چھاڑ سے یہ پتہ چلا کہ وہ کسی تحقیق حق کا متلاشی نہیں محض دل آزاری مقصود ہے، اسلئے حضرت نے اس سے صاف کہلا دیا کہ میرا اور آپ کا معاملہ افسری اور ماتحتی کا ہے، میں دینی معاملہ میں آپ کی رعایت نہیں کرونگا اسلئے بہتر یہ ہے کہ اس معاملہ میں آپ گفتگو نہ کیا کریں، جب اس نے حضرت کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو آپ نے میر ابراہیم علی صاحب وزیر اعظم کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا، وزیر صاحب کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت اقدس کو چراغ علی شاہ کی ماتحتی سے نکالکر اور استعفےٰ نامنظور کر کے اپنے کام پر بحال کر دیا۔ جس کیوجہ سے چراغ علی کو آپ کی ذات سے عناد پیدا ہو گیا۔ اور تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہنے لگا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر آپ نے کتب شیعہ کا مطالعہ فرمایا اور پھر رد شیعہ میں ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی۔ جس کا نام "ہدایات الرشید الی افحام العنید ہے" ۱۳۰۶ھ میں یہ کتاب پہلی بار طبع ہوئی۔ کتاب کے کل صفحات آٹھ سو اٹھاسی ہیں۔

(۳) مولوی عبدالسمیع رام پوری نے انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ نامی ایک کتاب تالیف کی جس میں مولود و فاتحہ سے متعلق مروجہ بدعات کو ثابت کرنیکے لئے پورا زور قلم خرچ کر ڈالا، حضرت اقدس سہارنپوری کی شیدائے سنت طبیعت ان بدعات مزخرفہ اور عقائد باطلہ کی کہاں تاب لا سکتی تھی۔ آپ نے ان سب کی تردید فرمائی اور ان تمام بدعات کی قلعی کھولکر رکھدی جو سنت و مستحب کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کی گئیں تھیں، اس کتاب کا پورا نام "البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں یہ تالیف ہوئی، کل صفحات دو سو اناسی ہیں۔

(۴) حافظ امیر اللہ بریلوی کا ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں کچھ مباحثہ ہوا، اس بحث سے متاثر ہو کر وہ بریلی کے علما کے پاس گئے تاکہ وہ اپنے شکوک و شبہات کے جوابات ان سے حاصل کر سکیں مگر وہاں کیا رکھا تھا، مولوی احمد رضا خان کی طرف سے جواب آیا کہ ایک ہزار روپیہ دیدو اور جواب لیلو، حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ یہ اتنی کثیر رقم کیوں لیتے ہو؟ جواب ملا کہ شیعہ مسلک کی کتب خرید کر ان کا مطالعہ کرینگے پھر جواب لکھے جائیں گے۔ مجبور ہو کر حافظ صاحب حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے پاس پہنچے اور جوابات لکھنے کی درخواست کی، حضرت نے فوراً ہی جوابات لکھ کر اس موضوع پر مستقل ایک تالیف شروع کر دی۔ جس کا نام "مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامۃ" ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے بعد حضرت چالیس ۴۰ سال اس عالم میں رہے مگر کسی تشیع پسند سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ خود حافظ امیر اللہ صاحب اختلاف عقائد کے باوجود جوابات دیکھ کر حیران رہ گئے اور ساری عمر اس کا اعتراف کیا کہ حضرت اپنے وقت کے بے نظیر علامہ ہیں۔ یہ کتاب ایک سو تینتالیس ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے"۔

(۵) مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے حسام الحرمین نامی کتاب میں اکابر دیوبند کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے ان کی تکفیر کی اور علمائے حرمین سے اس پر دستخط کرائے۔ بریلوی گروہ کے اس فتنۂ تکفیر سے متاثر ہو کر علمائے مدینہ نے اپنے طور پر حضرت اقدسؒ سے اہل دیوبند کے عقائد و نظریات کے متعلق ستائیس ۲۶ سوالات دریافت کیے تھے، جن کے مدلل جوابات حضرت نے تحریر فرمائے۔ یہ تالیف المہند علی المفند کے نام سے موسوم ہے، لیکن معروف نام تصدیقات

دفع التلبیسات،، ہے، سنہ تالیف ۱۳۲۵ھ، صفحات بہتر (۷۲)۔

(۶) "تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان،، اس کتاب میں قرآن پاک احادیث اور تعامل سلف و اجماع کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں دینا ثابت و متوارث ہے۔ یہ کتاب تبتیس ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔"

(۷) اتمام النعم۔ تبویب الحکم جو عربی کی ایک کتاب ہے اور تصوف و معرفت کے دقیق مضامین پر مشتمل ہے اسکا اردو ترجمہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں کیا گیا۔

(۸) بذل المجہود فی حل ابی داؤد، حدیث و فقہ سے آپ کو جو لگاؤ اور تعلق تھا اور ان دونوں میں جو درک و مہارت حضرت اقدس کو حاصل تھی اسکا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ حضرت کے قلم سے کوئی ایسی بے نظیر شرح اور لازوال تعلیق وجود میں آئے جس پر علمائے حدیث کو اعتماد کے ساتھ ساتھ ناز بھی ہو۔ حضرت کے قلب میں بھی بار بار اسکا داعیہ پیدا ہوا مگر مختلف عوارض و موانع اور سب سے بڑھکر مشاغل درس کی بنار پر یہ کام شروع نہ ہوسکا، آخر کار اس جذبہ کاروں نے شدت اختیار کی اور دو ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مظاہر علوم کے کتبخانہ سے وہ تمام کتابیں لیلی گئیں جن کی شرح میں ضرورت ہوتی تھی اور تین یا چار ربیع الاول کو دارالطلبہ کے اس کمرہ میں بسم اللہ کردی گئی جہاں آج کل مدرسہ کا خزانہ ہے، چونکہ حضرت اقدس کے ہاتھوں میں رعشہ شروع ہوچکا تھا اسلئے یہ ناکارہ[۱] کاتب بنا۔ اس درمیان میں اگرچہ کاتبین مختصر سی مدت کیلئے ادلتے بدلتے رہے مگر کاتب ازل نے جو سعادت میرے حصہ میں لکھدی تھی وہ کیسے

[۱] [illegible] ۱۲ الیاس

محو ہو سکتی تھی، چنانچہ کتابت پھر میرے حوالہ ہوگئی اور تیس ۳۰ ذیقعدہ ۳۵ھ تک پورے نو ماہ میں ابوداؤد شریف کا ایک پارہ ختم ہوا، آغاز تالیف کیوقت حضرت قدس سرہ کا واہمہ بھی نہیں تھا کہ یہ شرح پوری اور مکمل ہو جائیگی بلکہ ابتداء میں صرف ایک پارہ کی شرح کرنیکا خیال تھا۔ اسکے بعد بقیہ کتاب الطہارۃ اور پھر کتاب الصلوٰۃ تک تحریر فرمائی، کتاب الصلوٰۃ ختم کرنیکے بعد جلد اول ختم کرنیکا داعیہ پیدا ہوا، اور یہ سلسلہ جاری رہا یہانتک کہ جب ۱۳۴۴ھ میں حجاز کیلئے روانہ ہوئے تو شرح کی تکمیل کے شوق میں اس ناکارہ کو بھی اپنے ہمراہ رکھا اور مدینہ منورہ پہونچکر ہمہ تن اسکی تالیف میں لگ گئے، اور اکیس ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ کو پورے دس سال پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح مکمل ہوئی۔ اختتام کی تقریب میں حضرت نے علمائے مدینہ کی ضیافت کا سامان کیا اور اپنی جیب خاص سے اسکے تمام انتظامات مکمل کیئے، یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۲۰×۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

خلفاء ومجازین حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے جن لوگوں کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور جن کے دل آتش محبت الٰہیہ سے گرم کر گئے ان کے اسماء یہ ہیں۔

(۱) حضرت حافظ قمر الدین صاحب امام جامع مسجد سہارنپور،

(۲) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندہلوی۔

(۳) مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی (مصنف تیسیر المبتدی وتیسیر المنطق)

(۴) سلسلہ نقشبندیہ میں، الحاج محمد حسین صاحب حبشی،

(۵) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ بانی جماعت تبلیغ دہلی۔

(۶) جناب حافظ فخر الدین صاحب ریلوے ملازم غازی آباد۔
(۷) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، حال شیخ الاسلام پاکستان،
(۸) مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی،
(۹) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی،
(۱۰) مولانا رشید احمد صاحب مدرس انجمن ہدایۃ الرشید قصبہ گروٹ "۔ [له]

[له] . تذکرۃ الخلیل و آپ بیتی حضرت شیخ زید مجدہ "۔

حرفِ آخر

اس رسالہ کی تسوید تو جیساکہ پہلے معلوم ہوچکا ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوچکی تھی مگر دوسرے بہت سے مسودات کیطرح میری حدیث پاک کی مشغولیت کیوجہ سے جو روز افزوں بڑھتی رہیں، یہ مسودہ بھی ناقص و ناتمام رہگیا اور تبییض کی نوبت نہیں آئی، آج کل میرے نواسہ عزیز مولوی شاہد سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم میرے مسودات پر مسلط ہیں اسکی محنت شاقہ اور جانفشانی کی وجہ سے کئی ماہ میں اس کی تبییض پوری ہوئی، اس موقعہ پر اسمیں حذف و اختصار بھی ہوا اور بہت سے اہم اضافے بھی ہوئے مجھے چونکہ اسکا اہتمام رہا کہ مکرم محترم جناب مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب صدر مفتی دار العلوم دیوبند اور عزیزان مولانا محمد عاقل سلمہ صدر المدرسین اور عزیز مکرم مولوی محمد سلمان سلمہ کی موجودگی کو ضروری سمجھتا رہا اور میرے یہ دونوں عزیز اور خود حضرت مفتی صاحب اپنے مشاغل کیوجہ سے اس کتاب پر صرف جمعہ کے روز نظر ثانی کرسکتے تھے۔ اسلئے ہر جمعہ کو چند گھنٹے اسپر نظر ثانی ہوئی اور آج ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ کو محض مالک کے لطف و کرم سے یہ کتاب پوری ہوگئی، والحمد للہ اولاً و آخراً،

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

تمہید!

تاریخ مشائخ چشت کی ترتیب و تکمیل کے دوران ہمہ وقت یہ خیال قلب و دماغ پر چھایا رہا کہ انشاء اللہ اس مجموعۂ تاریخ کا اختتام اپنے شیخ و مرشد حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا الحاج محمد زکریا صاحب دام فیضہ کے ذکر جمیل پر کیا جائیگا، کیونکہ وہ بھی اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ میری یہ تمنا اور آرزو مجھے شب و روز کتاب کی جلد از جلد تکمیل پر اکساتی تھی لیکن اس راہ کی سب سے مشکل ترین چیز جو رکاوٹ بن سکتی تھی یہ تھی کہ اس اختتامی تذکرہ پر نظر ثانی بہت ضروری اور اہم تھی اور وہ ذات گرامی جس نے پہلے صفحہ سے لیکر انتہا صفحہ تک ایک ایک سطر بغور سنی اور اضافہ و اصلاحات کا حق ادا کر دیا وہ اپنے تذکرہ کی ایک سطر بھی سننے کے لیے تیار نہ ہوگی،

اسکا تجربہ ہر تب کو پہلے بھی بارہا ہو چکا تھا اور اس مرتبہ بھی ہوا کہ ایک روز اہل علم کی ایک مجلس میں (جسمیں خود حضرت اقدس بھی موجود تھے) راقم سطور نے اپنی اس خواہش کا اشارتاً تذکرہ کیا تو فوراً سختی کے لہجہ میں فرمایا، ایسا نہیں ہو گا، بالکل نہیں ہوگا، اسلئے ادھر سے تو بالکل مایوسی تھی اور نظر ثانی کے بغیر کتاب کا طبع ہونا مشکل تھا مگر عالی جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی زادت مکارمہم نے بندہ کی درخواست کو قبول فرما کر از اول تا آخر یہ مضمون ملاحظہ فرمالیا۔ اس طرح سے الحمد للہ یہ اضافہ قابل اعتماد بھی ہوگیا اور لائق اعتبار بھی"

محمد شاہد غفرلہٗ ، ۷ / ربیع الاول سنہ ۱۳۹۳ھ

(۴۴) حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

حضرت شیخ زید مجدہ کی پیدائش اپنے آبائی مکان قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں بتاریخ گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ شب پنجشنبہ کو گیارہ بجے شب میں ہوئی۔ اہل محلہ اور متعلقین کو جب اس ولادت کی اطلاع ملی تو فرط مسرت کی بنار پر مبارکباد دینے آئے، ساتویں دن والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلہ تشریف لائے اور گھر کے دروازہ پر پہنچکر یہ خواہش ظاہر کی کہ میں نومولود کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، حضرت مولانا کی یہ خواہش اس زمانہ کی شرم وحیا اور دینی گھرانوں میں پائے جانیوالے ماحول کے بالکل خلاف تھی، گھر کے اکثر افراد کو اسپر تعجب بھی ہوا، مگر بعض دوسری مستورات نے یہ کہہ کر کہ آخر باپ ہیں بچہ کو دیکھنے کو جی چاہ گیا، اسمیں کیا حرج ہے؟ باہر بھیجدیا۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اپنے ہمراہ حجام کو لیکر آئے تھے، اشارہ پاتے ہی حجام نے بال اتار دیئے، حضرت مولانا نے وہ بال یہ کہہ کر گھر میں بھیجدیئے کہ بال میں نے منوادیے بکرے تم ذبح کرادینا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کردینا، اس طور پر حضرت مولانا نے یہ تقریب جس کیلئے بڑے انتظامات کیئے جارہے تھے اور دل کے ارمان نکالنے کا منصوبہ بندھا ہوا تھا نہایت سادگی سے اختتام کو پہنچادی۔

ڈھائی سال کی عمر تک حضرت شیخ کا قیام کاندھلہ رہا۔ تقریباً ۱۳۱۸ھ میں گنگوہ آمد ہوئی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا قیام اس وقت تک حضرت اقدس گنگوہی کے یہاں تھا، خود فرماتے ہیں کہ میں ابھی ڈھائی سال کا تھا حضرت گولر کے درخت کے نیچے

چار زانو بیٹھے ہوتے تھے۔ میں حضرت گنگوہی کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا فرماتے تھے کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں کھڑا ہو جاتا جب حضرت سامنے سے گذرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے کہتا السلام علیکم، حضرت بھی ازراہ محبت و شفقت اسی لہجہ میں جواب مرحمت فرماتے۔ گنگوہ پہونچکر مظفرنگر کے ایک بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کے پاس تعلیم و تدریس کا افتتاح ہوا، قاعدہ بغدادی انھیں سے پڑھا، اسکے بعد خاندانی روایات کے مطابق والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، ابا جان کیطرف سے یہ حکم تھا کہ روزآنہ کا سبق ستو ۱۰۰ مرتبہ پڑھ لیا کرو اسکے بعد چھٹی، حفظِ قرآن کے بعد بہشتی زیور اور اردو فارسی کی دینی کتابیں گنگوہ کے زمانہ قیام ہی میں رہکر پڑھیں، فارسی کی اکثر کتب اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ سے پڑھیں، یہ ساری تاریخ ۲۸ھ تک کی ہے۔ اسکے بعد رجب ۱۳۲۸ھ میں حضرت شیخ سہارنپور تشریف لائے، عمر مبارک اسوقت تیرہ ۱۳ سال کی تھی، ابا جان دو، تین سال قبل سہارنپور آچکے تھے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی یہ آمد کتب حدیث کی تدریس کیلئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے اصرار و تقاضہ پر تھی۔ یہاں آکر عربی تعلیم کا آغاز ہوا اور صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری کافیہ، مجموعہ اربعین، پارہ عم، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد، اپنے والد صاحب کی زیر نگرانی تکمیل کو پہنچائیں، کتب منطق کے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم اور کتب معقول کے استاذ مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی استاذ مدرسہ قرار پائے۔

دورۂ حدیث

۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی ابتدا ہوئی، اور ابن ماجہ کے علاوہ تمام کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں، ابن ماجہ چونکہ کئی

سال سے مولانا ثابت علی صاحب کے پاس ہو رہی تھی اسلئے وہ انھی کے پاس پڑھی۔

یہ سال حضرت اقدس سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند کا طویل قیام کے ارادہ سے حجاز میں گذرا، دوبارہ بخاری و ترمذی شریف حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ان کی آمد پر پڑھی دور حدیث کی تعلیم کے یہ سال بڑی محنت و انہماک سے پورے ہوئے اور تمام اسباق میں دو چیزوں کا بڑا خیال رکھا، ایک تو یہ کہ کوئی سبق ناغہ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کوئی حدیث پاک بلا وضو نہ پڑھی جائے اگر اثنار سبق میں وضو کی ضرورت پیش آجاتی تو ہم سبق رفیق اس کوشش میں لگ جاتے کہ اتنی دیر سبق نہ ہو۔ اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت شیخ زید مجدہٗ اپنی آپ بیتی میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

میرا اور میرے مرحوم شریک سبق احمد حسن سہارنپوری کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جسکو وضو کی ضرورت پیش آتی وہ دوسرے کو کہنی مار کر ایکدم اٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا، اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی مہینے دو مہینے میں اسکی نوبت آتی تھی اسلئے کہ صحت اچھی تھی۔ پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آ ہی جاتی، والد صاحب پہلی ہی مرتبہ میں سمجھ گئے تھے کہ ایکدم ایک ساتھی اٹھا، ایک منٹ میں آستینیں اتارتا ہوا بھاگا ہوا آرہا ہے۔ اس سے ان کو اندازہ بھی ہو گیا تھا اور اس چیز سے انکو مسرت بھی تھی، ایک دفعہ حسن احمد مرحوم میرے کہنی مار کر ایکدم اٹھا اور اس کے اٹھتے ہی میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے اور بالکل بے سوچے سمجھے کہا، میرے ذہن میں بالکل بھی نہیں تھا کہ فتح القدیر میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اس فقرے پر بیساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اسکو بند کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آوے میں تمہیں ایک قصہ سناؤں، میں

تمھاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔

مسند درس پر

تعلیم سے فراغت پر جب کہ حضرت اقدس کی عمر مبارک ستیس سال کی تھی، یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو حضرت شیخ زید مجدہ کا تقرر مظاہر علوم میں بہ حیثیت ایک ابتدائی مدرس کے پندرہ روپیہ مشاہرہ پر قرار پایا اور اصول الشاشی، علم الصیغہ جیسی ابتدائی کتب تجویز ہوئیں، یہ دونوں کتابیں مظاہر کے اساتذہ کبار کی جانب سے منتقل ہو کر آئی تھیں، یعنی اصول الشاشی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی طرف سے اور علم الصیغہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے پاس سے، اسکے علاوہ پانچ، چھ اسباق یہ بھی تھے۔ مائۃ عامل منظوم، شرح مائۃ، خلاصہ نحو میر، نفحۃ الیمن منیۃ المصلی، قال اقول، اسکے بعد اگلے سال ۳۵ھ میں یہ کتب زیر تدریس رہیں، مرقاۃ قدوری، شرح تہذیب، کافیہ، نور الایضاح، اصول الشاشی، شرح جامی، بحث فعل، بحث اسم، ۱۳۳۶ھ میں مزید ترقی ہوئی اور اونچی و معیاری کتب پڑھائیں، مثلاً مقامات سبعہ معلقہ، قطبی میر قطبی، کنز الدقائق وغیرہ۔

۱۳۳۶ھ میں چونکہ بذل المجہود کی تالیف کا آغاز ہو چکا تھا اسلئے ۳۷ھ میں اکثر اسباق خارج اوقات میں پڑھانے کی نوبت آئی۔ چنانچہ حماسہ بعد نماز عشاء اور بعض دوسرے اسباق بعد نماز عصر ہوا کرتے تھے، شعبان ۳۸ھ میں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں حجاز تشریف لیگئے۔ اور ماہ محرم الحرام ۳۹ھ میں آمد ہوئی۔

بذل المجہود کے لئے مضامین کی تلاش کی تلاش اور مباحث کا تتبع اور پھر اس کا املا کرنیکا سارا بار حضرت شیخ پر تھا جس کی بناء پر اسباق مجوزہ کا پورا کرنا مشکل ہو رہا تھا،

اس لئے محرم ۱۳۴۰ھ سے مستقل صبح کا وقت مدرسے سے فارغ کرکے بذل المجہود میں خرچ ہونے لگا، اسکے بعد رجب ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین سیپارے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ کے یہاں سے منتقل ہوکر آئے، شوال ۱۳۴۱ھ سے شعبان ۱۳۴۴ھ تک مشکوٰۃ شریف زیر تدریس رہی، شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کی معیت میں پھر حج کیلئے تشریف بری ہوئی۔ اور پورے سال وہاں قیام کرکے اٹھارہ صفر ۱۳۴۶ھ کو واپس ہندوستان آئے اور اسی روز ابوداؤد شریف حضرت ناظم صاحب کے پاس سے منتقل ہوکر آئی، نسائی موطا امام محمد اور بخاری بارھویں پارے سے لیکر سولہویں سیپارے تک اس سال کا درس رہا۔

۱۳۴۶ھ میں ارباب مدرسہ نے اپنے شوریٰ میں یہ طے کیا کہ ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس اور بخاری شریف حضرت شیخ کے پاس ہوا کریگی اسلئے کہ ناظم مدرسہ حضرت مولانا عبداللطیف پر انتظامی بار بہت بڑھ گیا شغل حدیث ترک ہونیکی وجہ سے، اس تجویز کا اثر حضرت ناظم صاحب پر کافی محسوس کیا گیا، اسلئے حضرت شیخ کی حساس اور غیور طبیعت نے اکابر مدرسہ کو اسپر راضی کرلیا کہ ترمذی تو ہمیشہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس ہوتی رہے اور بخاری شریف کا افتتاح حضرت ناظم صاحب کے پاس ہوئے۔ اور بقرعید کے بعد بخاری جلد اول کا سبق میرے پاس آجائے، جلد ثانی حضرت ناظم صاحب بعد مغرب پڑھا دیا کریں، یہ تجویز بڑی خوشی سے منظور ہوئی، حضرت ناظم صاحب کا تاثر بھی اس سے رفع ہوگیا۔ ارباب مدرسہ کی ایک قرارداد کے مطابق ابوداؤد شریف کا سبق مستقلاً حضرت شیخ کے سپرد کیا گیا جو ۱۳۷۲ھ تک ہوا۔ ۱۳۷۳ھ میں ناظم صاحب کے سفر رنگون کی بناء پر اور ۱۳۷۴ھ میں

مسلسل علالت کی بناء پر ابو داؤد شریف اور بخاری شریف دونوں جلدیں حضرت شیخ ہی کے زیر تدریس رہیں۔ لیکن جب ناظم صاحب وفات پا گئے تو ابو داؤد شریف حضرت اقدس مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب (حال ناظم مدرسہ) کی طرف منتقل ہو کر بخاری شریف حضرت شیخ زید مجدہ کے حوالہ کر دی گئی۔ اس مدت میں بہت بڑی تعداد میں طلبا اور قارئین حدیث نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ لہ

لیکن ۱۳۸۸ھ میں نزول آب شروع ہو گیا جس کی وجہ سے اپنی زندگی کا وہ مبارک مشغلہ جو آپ کیلئے ہر وقت حیات نو کا سبب بنا کرتا تھا اور تازگی پیدا کئے رکھتا (یعنی تدریس حدیث) بند کر دیا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے ایک انعام ہے کہ علوم رشیدیہ کے شارح و ناشر کو اسی عذر کی بناء پر اپنی مسند تدریس کو چھوڑنا پڑا جو عذر کہ حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کو ۱۳۱۴ھ کے اوائل میں پیش آیا، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ درس ظاہری کے انقطاع کے بعد درس روحانی میں شرکت کرنیوالوں کا اضافہ روز افزوں ہے اور بیش از بیش ہے۔ اور جو وقت کہ پہلے دار الحدیث کی چہار دیواری میں محبوس ہو جایا کرتا تھا وہ اب ایک عالم کی تربیت اور تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس میں خرچ ہو رہا ہے۔

لہ۔ قارئین اس تعداد کا موٹا سا تخمینہ اسطرح لگا سکتے ہیں کہ ۱۳۴۱ھ سے لیکر ۱۳۸۸ھ تک کے طلبا حدیث کی تعداد سات سو انتالیس (۷۳۹) ہوتی ہے اور یہ تعداد صرف ان طلبا کی ہے جنھوں نے باقاعدہ مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھا مستقلاً سماعت کرنیوالے اور دوسرے طریقہ سے شرف تلمذ حاصل کرنیوالے ان سے علیحدہ ہیں۔ (شاہد غفرلہ)

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

مسند رشد و ہدایت پر

مظاہر علوم کی ہمیشہ سے ایک خصوصیت رہی ہے جس نے اس کی روحانیت کو ہمیشہ بلند تر رکھا

وہ یہ کہ کسی نہ کسی صاحب نسبت ہستی کا اثر و نفوذ اور اس کا فیض مظاہر کی چہار دیواری میں ابر نیساں کی طرح ہمیشہ برسا اور ایک عالم کا عالم اس سے لطف اندوز ہوا اور اپنی پیاس بجھائی، قطب عالم حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات مبارکہ سے لیکر حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت مبارکہ تک، ایک طویل فہرست آپ کو ایسی ملیگی جس میں اپنے اپنے وقت کے اخیار امت صلحاء، پاکیزہ نفوس مدرسہ پر سایہ فگن رہے۔

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ اس خصوصیت کا آخری مرکز بنجاتے اگر قسمت یاوری نہ کرتی اور حضرت شیخ زید مجدہ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس نہ پہنچاتی، ایک چراغ سے دوسرا چراغ اور ایک مشعل سے دوسری مشعل ہمیشہ روشن ہوتی آئی ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۴۳ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز کیلئے طویل قیام کے ارادہ سے تشریف لیجارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہو رہے تھے تو حضرت شیخ بھی سب کی دیکھا دیکھی بیعت ہونے کے لئے تیار ہو گئے، حضرت سے عرض کیا فرمایا، جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آجانا، مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی جو خلافت و اجازت سے مشرف ہو چکے تھے، انھوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی، دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت شاہ عبد الرحیم

صاحب اوپر بیٹھے ہوئے تھے یہ منظر دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے، حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے اسکو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر دعائیں دیں۔

یہ واقعہ ابتداء کا ہے اس کے بعد حضرت شیخ نے جس طرح کامل طور سے اپنے آپ کو اپنے حضرت کے سپرد کیا اور اپنی دماغی اور علمی صلاحیتوں کو حضرت کی خاطر قربان کیا اسکا ایک نمونہ بذل المجہود کی شکل میں آج ہزاروں صفحات پر بکھرا ہوا موجود ہے جس میں حضرت شیخ کو اپنی دماغی صلاحیت، ذہنی ذکاوت اور اپنے بیش قیمت اوقات کا لحظہ لحظہ اور لمحہ لمحہ اس کی نذر کرنا پڑا، خود حضرت اقدس سہارنپوری نے اسکا بارہا اعتراف کیا اور بذل کی موجودہ شکل وصورت کو شیخ کا مرہون منت بتلایا ـــــ اور اپنے تعلق ومحبت کو بیٹے سے بڑھکر ثابت کر دکھایا چنانچہ ایک مرتبہ کسی اجنبی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! یہ مولوی زکریا آپکے بیٹے ہیں؟ بیساختہ فرمایا اجی بیٹے سے بڑھکر ہیں۔ مرشد اور مسترشد کے درمیان کا یہ تعلق اور یہ مودت ومحبت اپنا اثر لائے بغیر نہ رہ سکی، اُدھر سے جتنا اپنے اس روحانی بیٹے کے لئے محبت وشفقت کا برتاؤ تھا ادھر سے بھی اپنے مرشد ومربی کے ساتھ تعلق اور ادب وعظمت کے معاملہ میں کمی نہ آنے پاتی تھی، طرفین کے اس سلسلہ کے دو چار واقعات بے اختیار لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

(۱) حضرت شیخ کی پہلی شادی اپنے آبائی وطن کاندھلہ میں ہوئی، تقریب نکاح میں شرکت کرنے کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلہ گئے، وہاں سے واپسی میں حضرت شیخ نے اہلیہ کو لانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کاندھلہ تو میرا خود بھی وطن ہے، پانچ سات دن یہیں رکھ

سہارنپور لوٹ جاؤں گا، اہلیہ کا سہارنپور لانا لیجانا مشکل ہے، حضرت قدس سرہ
نے سن کر فرمایا، وہ کون ہے انکار کرنے والا، باپ بن کر تو نکاح کرانے کیلئے میں آیا ہوں۔
(آپ بیتی صفحہ ۱۴ جلد ۴)

(۲) ایک مرتبہ مدرسہ کے ایک طالب علم کا اخراج حضرت قدس سرہ نے
کیا، میں نے مخالفت کی اور عرض کیا کہ حضرت اس کے اندر یہ اندیشہ ہے، حضرت
ناظم صاحبؒ نے اس کی تردید فرمادی کہ نہیں حضرت کوئی اندیشہ نہیں، حضرت نے
اخراج فرمادیا، معاً وہی اندیشہ سامنے آگیا، حضرت قدس سرہ کو اسکا بڑا فکر ہوا
حضرت ناظم صاحب کو بھی ندامت ہوئی۔ میرے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے
قدرنے تو پہلے ہی مخالفت کی تھی ہم نے ہی نہ مانی، میں نے عرض کیا، حضرت فکر
نہ فرمائیں دعاء و توجہ فرمائیں انشاء اللہ یہ اندیشہ جاتا رہیگا، اور حضرت کی دعا
و توجہ سے فوری خطرہ جو پیش آیا تھا وہ اسی طرح فوراً دور ہوگیا۔" (آپ بیتی صفحہ ۱ جلد ۴)

(۳) حضرت قدس سرہ کا ہندوستان میں بھی اور مدینہ پاک میں بھی بہت
کثرت سے یہ معمول تھا کہ جب کبھی کھانے میں یہ سیہ کار شریک ہوتا تو حضرت قدس
سرہ کوئی بوٹی یا کباب کا ٹکڑا بہت شفقت سے دست مبارک سے مرحمت فرمایا کرتے
تھے، مجھے تو کبھی اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوا کہ حضرت کی شفقتیں اس سے
بہت زائد رہتی تھیں، لیکن حضرت رائے پوری نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تجھ پر بڑا
رشک آتا ہے کہ جب حضرت تجھے کوئی چیز کھانے کو مرحمت فرماتے ہیں تو پہلے اس چیز
کو خوب گھورتے ہیں پھر مرحمت فرماتے ہیں۔ کاش مجھے بھی اسی طرح سے گھور کر
کوئی کھلاتا، اس کے بعد میں نے بھی خیال کیا تو واقعی حضرت اقدس رائے پوری نے

صحیح فرمایا تھا۔" (آپ بیتی صفحہ ۱۶ جلد چار)

(۴) فرمایا کہ میرے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ زکریا میرا ادب جوتے کے ڈر سے کرتا ہے اور اپنے حضرت کا ادب دل سے کرتا ہے۔"

۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ حجاز تشریف لے گئے حضرت شیخ بھی ہمراہ تھے (تفصیل آگے آرہی ہے) حضرت سہارنپوری کا ہر مرتبہ کا سفر حجاز اس امید اور تمنا کے ساتھ ہوا کرتا تھا کہ شاید اس بار جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے، چنانچہ ۱۳۴۴ھ کا یہ سفر حج آپ کا آخری سفر ہوا اور آپ ۱۳۴۶ھ میں بقیع میں آسودہ خاک ہوئے، حضرت شیخ کی واپسی حضرت کی حیات میں ہو چکی تھی، وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی، اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کے برادر اکبر مولانا سید احمد صاحب کو دیا کہ وہ اسے حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں۔ جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ کی وجہ سے چیخیں نکل گئیں، حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب اس موقعہ پر وہیں موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہو جانے کے خوف سے حضرت شیخ نے ان کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس کی اطلاع نہ کریں مگر حضرت رائے پوری اس خبر کے اخفار پر تیار نہ ہوئے اور آپ کے ذریعہ سے یہ خبر یہاں پھیلی، پھر بھی حضرت شیخ نے مدت تک

یعت لینے سے انکار کردیا اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے
بیعت کراتے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے حکم فرمانے سے اس کا سلسلہ
شروع ہوا جس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب
نوراللہ مرقدہ اور حضرت شیخ اعزہ و اقارب سے ملاقات کی غرض سے کاندھلہ تشریف
لے گئے، وہاں پہونچکر گھر کی مستورات حضرت مولانا کے سر ہوگئیں کہ آپ شیخ کو حکم فرمادیں
کہ وہ ہم سب کو بیعت کریں۔ محلہ کی مسجد میں آدمی بھیجکر حضرت شیخ کو بلایا گیا، مکان
پہونچکر حضرت شیخ کو حضرت مولانا کے غصہ کا اندازہ ہوا اور ساتھ ہی یہ منظر بھی دیکھا
کہ سب مستورات جمع ہیں، ایک پلنگ پر خود تشریف فرما ہیں دوسرا پلنگ خالی ہے
حضرت نے اپنا عمامہ اتار کر اسکا ایک سرا حضرت شیخ کے ہاتھ میں تھمایا اور دوسرا سرا
مستورات کو دیدیا کہا سے پکڑلو اور تیز لہجہ میں فرمایا ان کو بیعت کرو، ادھر سے کچھ
پس وپیش ہوئی تو ڈانٹ کر دوبارہ حکم ملا کہ ان کو جلدی بیعت کرو، یہ حضرت شیخ کی
بیعت کرانے کی ابتدا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے کئی مرتبہ حضرت شیخ زید مجدہٗ اور حضرت
مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جہاں انتہا ہوتی
ہے وہاں سے تم لوگوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ بسا اوقات فرماتے کہ ان چچا بھتیجوں
(یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت شیخ مدظلہٗ) کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔
ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ کی طرف منتقل ہوئی ہے"۔

عقد نکاح

حضرت شیخ دام مجدہ العالی نے دو نکاح کیے۔ جنکے مختصر اجمالی حالات
یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحب کے انتقال پر (جو ۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ کو ہوا) شیخ کی والدہ محترمہ نے حضرت اقدس سہارنپوری کے پاس پیغام بھیجا کہ میری طبیعت خراب ہے زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے میں چاہتی ہوں کہ زکریا کا نکاح میرے سامنے ہو جائے تاکہ میرے بعد گھر کھلا رہے۔ اس وقت حضرت شیخ کی نسبت مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے طے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس سہارنپوری نے اسی وقت کاندھلہ کے اعزہ واقارب کو تقاضہ کا خط لکھوایا اور ان لوگوں کا عندیہ معلوم کیا، وہاں سے جواب آیا کہ جیسی حضرت کی رائے ہو وہی کیا جائیگا جو چاہے تاریخ مقرر فرمادیں۔

مقررہ تاریخ پر حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب وغیرہ اکابر حضرات کاندھلہ پہنچے اور مورخہ ۲۹ صفر ۱۳۳۵ھ بروز دوشنبہ کو حضرت اقدس سہارنپوری نے نکاح پڑھایا، نکاح کیوقت کسی شخص نے اپنے خاندان کا مہر مثل اسی ہزار ٹکے ہونا بتلادیا، حضرت نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اور ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح ہوا۔

(۲) پہلی اہلیہ محترمہ کا جب انتقال ہو گیا تو حضرت شیخ پر دوسری شادی کیلئے ہر چہار جانب سے تقاضے شروع ہوئے، مگر اپنے علمی اشتغال کے پیش نظر وہ ہر آنیوالے تقاضہ کو نظر انداز کرتے رہے، مگر جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی صاحبزادی کے متعلق فرمایا تو حضرت شیخ انکار نہ کرسکے، کیونکہ وہ اگر ایک طرف استاد تھے محترم چچا تھے تو دوسری طرف خود حضرت اقدس سہارنپوری کے اونچے خلفاء میں تھے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ان کے ارشاد کو میں رد نہ کرسکا،

اور فوراً کہدیا کہ پھر نکاح پڑھتے جایئے۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ منگنی دوسری جگہ تھی
اس لئے استیمار کی ضرورت ہے، میں دہلی پہونچکر اس کا جواب بھیجونگا، اس گفتگو
کی اطلاع حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کو ہوگئی،
وہ بھی اپنے چند خدام کے ہمراہ نکاح میں شرکت کی غرض سے سہارنپور تشریف
لے آئے۔ حضرت شیخ کا خیال تھا کہ وہ آج کی روانگی ملتوی کردیں، اور حضرت
رائے پوری کی تشریف بری کے بعد دہلی جائیں، اسکی وجہ خود حضرت شیخ کے الفاظ
میں یہ بھی کہ ہم لوگوں کو بارات وغیرہ کے قصہ سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیے۔
کہ بہت ہی توغل حد سے زیادہ اسراف ہونے لگا، حضرت رائے پوری اسکے جواب
میں یہ فرمارہے تھے کہ میں باراتی بن کر نہیں جاؤنگا۔ حضرت (شیخ) کا خادم بن کر
جاؤں گا، الغرض صبح دس بجے والی گاڑی سے روانگی طے ہوئی۔ اسٹیشن پہونچکر
دیکھا کہ اسی گاڑی سے حضرت اقدس مدنی ٹانڈہ سے تشریف لارہے تھے، دریافت
فرمایا آپ دونوں کیسے اسٹیشن پر آئے، میں نے تو وقت تنگ ہوجانیکی وجہ سے
اپنی آمد کا تار نہیں دیا تھا، حضرت رائے پوری نے برجستہ فرمایا وہ ان حضرت کا نکاح
ہورہا ہے" فرمایا ہمیں خبر بھی نہیں کی، جواباً حضرت رائے پوری نے ارشاد فرمایا،
کہ حضرت میں بھی زبردستی ساتھ ہوں انھوں نے مجھے بھی خبر نہیں کی تھی، حضرت مدنی
نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ اسی گاڑی سے چلتا مگر مستورات میرے ہمراہ ہیں۔
لہذا میں اگلی گاڑی سے آؤں گا اور یہ پیغام کہلوایا کہ نکاح میں میرا انتظار کیا
جائے میں پڑھاؤنگا، دہلی پہونچکر شب جمعہ میں مسجد عبد الرب میں قیام فرماکر
اگلے روز جمعہ کو نظام الدین پہنچے، بعد نماز جمعہ مورخہ آٹھ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

مطابق اٹھارہ جون ۱۹۳۶ء کو ظہر فاطمی پر نکاح پڑھا گیا، دعوت ولیمہ حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی جانب سے راؤ یعقوب علی خاں کے زیر اہتمام ہوئی۔"

اسفارِ حج

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت شیخ کو کئی مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین کی دولت سے نوازا، جس مقام پر پہنچنے کی تمنا میں ہزاروں لوگ اپنی عمریں ختم کرکے زیر زمین پہونچ لئے۔ اس مقام پر حضرت شیخ کی بار بار رسائی ہوئی اور ہر مرتبہ صد ہزار بر و صد ہزار بیا کا جذبہ و شوق لیکر واپس لوٹے، اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جملہ حجوں کی مختصر سی روئداد لکھدی جائے، حضرات قارئین تفصیلی واقفیت کے لئے آپ بیتی نمبر چہارم کا وہ باب دیکھیں جس کا عنوان ہے "باب ششم جملہ حجوں کی تفصیل"۔

(۱) سب سے پہلا حج، حج اسلام حضرت شیخ نے ۱۳۳۸ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی معیت میں کیا، دو شعبان ۳۸ھ میں سہارنپور سے روانگی ہوئی، قافلہ کے افراد یہ تھے، حضرت اقدس سہارنپوری مع اہلیہ محترمہ، حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب، حاجی مقبول احمد صاحب، حاجی انیس احمد انبہٹوی مولوی محمد اسحٰق صاحب بریلوی، مولانا لطیف الرحمٰن صاحب کاندہلوی، متولی طفیل احمد صاحب وغیرہ وغیرہ، بمبئی پہونچکر معلوم ہوا کہ حضرت کی معیت میں سفر کرنیوالے تقریباً دو سو افراد ہوگئے۔ اس تعداد میں جہاز کی روانگی تک مزید اضافہ ہوگیا، حضرت اقدس سہارنپوری نے تمام رفقاء کی معیت کے پیش نظر یکے بعد دیگرے دو جہاز چھوڑے کہ ان میں گنجائش تمام رفقاء کو ساتھ لیکر جانے ------ کی نہیں تھی بمبئی پہونچکر حضرت نے اعلان کردیا کہ جس شخص کو جس کے ساتھ مناسبت ہو، اس کے

ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے، میرے ساتھ کوئی نہیں ہو گا۔ چنانچہ حضرت شیخ
حاجی مقبول احمد صاحب کے ساتھ شریک طعام ہوئے اور مصارف کی جملہ رقم یکمشت
چھ سو روپیہ ان کے حوالہ کر دی اور کہہ دیا کہ مجھے اختتام سفر پر حساب کتاب نہیں
چاہیئے میرے ذمہ مزید کچھ بڑھ جائیں تو ضرور لیں اور آپ کی طرف کچھ رہ جائیں
تو وہ ابھی سے معاف ہیں۔ ستائیس یا اٹھائیس شعبان کو جہاز بمبئی سے روانہ
ہوا۔ اور بخیر و عافیت جدہ پہنچے۔ یہاں ایک دن قیام کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔
رمضان المبارک میں قیام مکہ ہی میں رہا۔ بعد رمضان حضرت نے فرمایا کہ میں تو
مدینہ میں طویل قیام کے ارادہ سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب منع کرتے
ہیں اور حج تک بھی قیام کی اجازت نہیں دیتے۔ اور میری آمد یہاں کئی مرتبہ ہو چکی ہے
تم لوگ پہلی مرتبہ آئے ہو مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ تین دن قیام کے ارادہ سے مدینہ
کیلئے روانہ ہوئے۔ اور اسی قدر خورد و نوش کا سامان اپنے ہمراہ لیا، لیکن مدینہ
پہونچکر قافلہ کا ایک اونٹ مر گیا۔ بدو کہتے تھے کہ تم ہمیں روپیہ قرض دیدو ہم
اونٹ خرید لیں گے اور مکہ پہونچکر تمھارا قرضہ اتار دیں گے، یہ حضرات جواب دیتے
کہ ہم تو اپنے خورد و نوش کے لئے تین دن کا سامان لیکر چلے تھے ہم کہاں سے دیں،
بالآخر ایک ماہ بعد بدوؤں نے اونٹ کا انتظام کیا اور ان حضرات نے ایک ماہ تک
بڑی راحت و آرام سے اپنی زندگی مدینہ میں گذاری اور آخر ذیقعدہ میں مدینہ منورہ
سے چلکر بارہ دن میں مکہ پہونچے، حج کے بعد ایک ماہ مزید مکہ میں قیام کے بعد
محرم کے دوسرے عشرہ میں وہاں سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہونچکر دو تین روز
وہاں قیام رہا اور آٹھ صفر ۱۳۳۹ھ میں سہارنپور آمد ہوئی۔

(۲-۳) دوسرا اور تیسرا حج بھی حضرت سہارنپوری کی معیت میں سنہ ۴۴ھ، ۴۵ھ
میں ہوا، حضرت شیخ کا یہ سفر دفعۃً ہوا، پہلے سے اسکے متعلق نہ حضرت سہارنپوری
نے کوئی تذکرہ فرمایا اور نہ ہی حضرت شیخ نے، مگر بذل المجہود کی تکمیل کیوجہ سے شیخ نے
وقت پر اپنا نظام بنایا اور سہارنپور سے ۱۶ سولہ شوال سنہ ۴۴ھ مطابق ۲۹ انتیس اپریل
سنہ ۲۶ء بروز پنجشنبہ کو روانگی ہوئی۔ اسٹیشن پہونچکر پتہ چلا کہ حضرت اقدس کا
وہ بکس جسمیں ضروری امانتیں اور رفقاء کے کرائے کی رقمیں تھیں مدرسہ میں رہ گیا
جس کو لانے کیلئے حضرت شیخ اور مولانا زکریا صاحب قدوسی بھیجے گئے۔ چونکہ بکس
کا خیال عین وقت پر آیا تھا اور اتنا وقت نہیں تھا کہ بکس لاکر باطمینان گاڑی
ملجائے، اسلئے حضرت شیخ کو یہ گاڑی چھوڑنی پڑی اور اگلے روز اسی گاڑی سے
حیدرآباد کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک ہفتہ یہاں قیام کے بعد ۲۵ پچیس شوال شنبہ
کی صبح کو حیدرآباد سے روانہ ہوکر بمبئی پہنچے اور ۷ سات ذیقعدہ سنہ ۴۴ھ پنجشنبہ
مطابق ۲۰ بیس مئی سنہ ۲۶ء کو جبرہ نامی جہاز سے روانہ ہوکر ۱۷ سترہ کو کامران پہنچے،
اور ۲۴ چوبیس گھنٹے قرنطینہ کرنا ہوا اور اگلے روز مورخہ ۱۸ اٹھارہ ذیقعدہ کو جدہ کیلئے
روانہ ہوئے ۲۱ اکیس کو جدہ پہونچے، ۲ دو رات وہاں ٹھیرے اور ۲۵ پچیس تاریخ کو
اونٹوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، اس سفر میں خانہ کعبہ میں بھی داخلہ
کی سعادت حاصل کی، ۲۶ چھبیس ذی الحجہ چہارشنبہ کو بعد نماز عصر مدینہ منورہ کے
لئے روانہ ہوئے اور ۸ آٹھ محرم الحرام سنہ ۴۵ھ دوشنبہ کو مدینہ پہونچکر مدرسہ علوم
شرعیہ میں فروکش ہوئے۔ اور سولہ ذیقعدہ سنہ ۴۵ھ کو وہاں سے روانہ ہوکر ۱۸
صفر سنہ ۴۶ھ کو بخیر وعافیت سہارنپور پہونچے۔ اسی سفر میں حضرت اقدس سہارنپوری

نور اللہ مرقدہ نے حضرت شیخ زید مجدہ کے لئے شیخ الحدیث اور مشیر ناظم کا خصوصی عہدہ عطا فرما کر ارباب مظاہر کو تحریر فرمایا کہ وہ حضرت شیخ کی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں جو قدرت نے انھیں مرحمت فرمائی ہیں۔ اس سفر میں دو تاریخی واقعے پیش آئے۔ ایک بذل المجہود کا اختتام، دوسرے حضرت شیخ کو اجازت و خلافت ملنا، ان دونوں کا اجمالی تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا، مزید تفصیل کے لئے آپ بیتی اور تاریخ مظاہر جلد دوم کا مطالعہ کریں۔

(۴) ۱۳۸۲ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے اصرار و تقاضو پر خدام اور رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کا عزم فرمایا، یہ ایک تاریخی سفر تھا، چھ ذیقعدہ مطابق اکیس ۲۱ مارچ ۶۳ء شنبہ کی صبح کو سہارنپور سے روانہ ہو کر جلال آباد، تھانہ بھون اور جھنجھانہ ہوتے ہوئے بعد مغرب نظام الدین پہنچے اور دس ذیقعدہ چہار شنبہ کی صبح کو فرنٹیر میل سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے جمعرات کے دن صبح کے وقت بمبئی پہونچے اور حاجی دوست محمد صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ چودہ ۱۴ ذیقعدہ بروز اتوار صبح آٹھ بجے بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی سے چلکر ہندوستانی ڈیڑھ بجے جدہ پہونچے۔ عصر کے بعد جدہ سے چلکر مغرب بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ مدرسہ صولتیہ میں نماز ادا فرمائی اور اسکے بعد ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔

مکہ مکرمہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب فاتح عیسائیت کے دیوان میں قیام رہا۔ ستائیس ۲۷ ذی الحجہ مطابق نو ۹ مئی ۶۳ء شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ سے چلکر مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے، ظہر کی نماز بدر میں پڑھی، کھانا کھانیکے بعد سب رفقاء نے آرام کیا، بعد عصر شہدائے

بدر کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ مغرب وعشاء کی نماز مسجد عریش میں پڑھی۔
اٹھائیس ۲۸ ذی الحجہ کی صبح کو مدینہ پاک پہنچے، یہاں مدرسہ علوم شرعیہ میں قیام ہوا
بیس ۲۰ دن قیام کے بعد یکم صفر ۸۴ھ مطابق تیرہ ۱۳ جون ۶۴ء یوم شنبہ کو مدینہ
منورہ سے روانہ ہو کر ظہر کے وقت جدہ پہنچے، مغرب کی نماز مسجد حدیبیہ میں ادا فرمائی
اور عشاء کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ یہاں سے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی
غرض سے آٹھ صفر مطابق بیس ۲۰ جون کی صبح کو طائف کیلئے روانہ ہوئے اور بخیر و
عافیت دو گھنٹے میں پہونچکر مسجد ابن عباس وغیرہ کے اجتماعات میں شرکت کرکے
مورخہ دس ۱۰ صفر کی صبح کو مکہ واپسی ہوئی، تیئس ۲۳ جون کو بعد عصر مکہ سے چلکر عشاء کے
قریب جدہ پہنچے، یہاں بھی تبلیغی اجتماعات کی وجہ سے ایک دن قیام ہوا، پچیس ۲۵
جون کو جدہ سے بذریعہ طیارہ کراچی آئے اور کراچی، لائل پور، سرگودھا، ڈھڈیاں
راولپنڈی میں ٹھیرتے ہوئے دس ۱۰ جولائی کی صبح کو لاہور پہنچے، سولہ ۱۶ جولائی پنجشنبہ
کو لاہور سے بذریعہ طیارہ چل کر ساڑھے تین بجے دہلی پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچے
دو، تین روز قیام کے بعد انیس ۱۹ جولائی اتوار کی صبح کو کاندھلہ، نیرانہ، دیوبند
ہوتے ہوئے مغرب کے قریب سہارنپور پہنچے۔

(۵) اپنے امراض اور اعذار کی کثرت دیکھتے ہوئے اس مرتبہ حضرت شیخ اس
چیز سے بالکل خالی الذہن تھے کہ انھیں اس مرتبہ پھر حاضری کی سعادت اور دولت
سے نوازا جائیگا، ادھر اہل تعلق ومحبین کا شدید اصرار تھا کہ حضرت شیخ ضرور
تشریف لائیں، نہ جانا چونکہ بالکل طے تھا اسلئے بذریعہ کار سات ۷ ذیقعدہ ۸۶ھ
مطابق اٹھارہ ۱۸ فروری ۶۷ء کو حضرت شیخ مولانا الحاج انعام الحسن صاحب،

و مولانا ہارون صاحب سے الوداعی ملاقات کی غرض سے دہلی تشریف لیگئے،
دہاں پہونچکر احباب کا اصرار تشریف بری پر ہوتا رہا، خود حضرت شیخ بھی پیہم اصرار
اور مسلسل تقاضوں کی وجہ سے استخارہ کرتے رہے۔ اس اثنا میں پاسپورٹ گم
ہوگیا، جس کو وہاں کے احباب نے ڈاکٹر سید محمود وغیرہ کی وساطت سے مختصر مدت میں
دوبارہ تیار کرالیا، یہ سب انتظامات اور تقاضے تائید غیبی سمجھے گئے۔ اور مورخہ
دس ذیقعدہ اکیس ۲۱ فروری بروز منگل کو سہارنپور آمد ہونیکے بجائے بمبئی روانہ ہوگئے
تیئیس ۲۳ فروری جمعرات کی صبح کو سات بجے بمبئی سے بذریعہ طیارہ روانہ ہوکر ظہر کے
بعد عربی سات بجے کے قریب جدہ پہنچے، قدوائی صاحب سفیر ہند نے اپنی خصوصی مراعات
کی وجہ سے پہلے ہی سے اسکا انتظام کر رکھا تھا کہ ان کی کار ہوائی اڈہ تک چلی جائے،
(جسے بمشکل چند منٹ لگے ہوں گے) قدوائی صاحب کے مکان پر تشریف لاکر کھانا کھایا
اور عصر کی نماز حدیبیہ میں پڑھکر مغرب کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے، صولتیہ میں قیام رہا۔
اکیس ۲۱ ذی الحجہ کو مغرب سے کچھ قبل مکہ سے جدہ کیلئے آمد ہوئی۔ اس آمد کا مقصد
ان تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرنا تھی جو یہاں کے معمول کے مطابق سال بسال
ہوتے ہیں، چوبیس ۲۴ ذی الحجہ کو منگل کے دن اشراق کے وقت مدینہ طیبہ کیلئے روانہ
ہوکر ظہر کے وقت بدر پہنچے اور بدھ کی صبح کو عربی وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے
چلکر تین بجے مدینہ منورہ پہونچے، اس مرتبہ حضرت شیخ کا قیام ان کے ایک مخلص۔
مسترشد و مجاز صوفی اقبال صاحب کے مکان پر ہوا۔ گیارہ ۱۱ محرم الحرام مطابق
بائیس ۲۲ اپریل شنبہ کی صبح کو مدینہ سے چلے، مغرب کی نماز راستہ میں پڑھکر بعد مغرب
جدہ پہونچکر عازم مکہ ہوئے اور عشاء کے ایک گھنٹہ بعد مکہ مکرمہ پہونچکر حضرت شیخ نے

اپنے پیرو مرشد حضرت اقدس سہارنپوری کی جانب سے عمرہ کیا، چھبیس[۲۶] اپریل چہار شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ سے چلکر جدہ پہنچے اور اسی روز بذریعہ ہوائی جہاز پاکستانی وقت کے مطابق ایک بجے کراچی کے ہوائی اڈہ پر اترے اور مکی مسجد تشریف لیگئے۔ جمعرات کا سارا دن ملاقات میں گزرا، جمعہ کی صبح کو پاکستانی وقت کے مطابق دس بجکر چالیس منٹ پر طیارہ نے اڑان شروع کی اور ہندوستانی وقت کے مطابق بارہ بجکر چالیس منٹ پر پالم ہوائی اڈہ پر پہنچے، اتوار کے روز میرٹھ اور دیوبند ہوتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے بخیر و عافیت سہارنپور تشریف لے آئے ۔"

(۶) چوتھے حج میں ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا شاہ محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ مکی و مدنی تبلیغی احباب سے یہ طے کر آئے تھے کہ ہر تیسرے سال حج کے موقعہ پر یہاں آمد ہو گی اور حضرت شیخ بھی ہمراہ ہوا کرینگے۔ اسلئے اس تجویزہ قانون کیمطابق گویا کہ ۱۳۸۸ھ کا حج طے تھا مگر حضرت شیخ اپنے بڑھتے ہوئے ضعف و امراض اور مرکز کی مصالح کی وجہ سے کچھ متامل تھے اور افریقہ کے اہل تعلق کی جانب سے ٹکٹ آجانیکے باوجود پورے طور پر قیام یا روانگی کا فیصلہ نہیں کر پائے تھے اور تقریباً اپنا نہ جانا طے کیئے ہوئے تھے ۔ اسی بناء پر حضرت مولانا الحاج انعام الحسن صاحب و مولانا ہارون صاحب تیئیس[۲۳] شوال کو رخصتی ملاقات کیلئے سہارنپور آئے۔ اور پچیس[۲۵] شوال کو بعد نماز ظہر دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ اور یکم فروری کو دہلی سے برائے حجاز۔ اس دوران میں سعودی عرب میں بڑا زبردست سیلاب آیا۔ بڑی بڑی کاریں پتوں کی طرح بہتی جا رہی تھیں، اور تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ بات پیش آئی کہ اسکی وجہ سے حرم مکہ میں ظہر کی نہ عمومی نماز ہوئی اور نہ اذان ہوئی۔ مولانا الحاج

سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہم نے اس موقعہ پر حضرت شیخ زید مجدہ سے حجاز چلنے کی درخواست کی اور اتنی کثرت سے تقاضا کیا کہ حضرت شیخ کو اپنے تعلق و محبت کی بنا پر مولانا علی میاں سے انکار کی ہمت نہ ہوئی اور حضرات نظام الدین دلی کی واپسی کے بعد کا نظام بن گیا، چنانچہ وہ حضرات چودہ ۱۴ اپریل کو واپس دلی پہنچے۔ تو پانچ صفر ۸۹ھ مطابق تیئیس ۲۳ اپریل ۶۹ء چہار شنبہ کو حضرت شیخ بارادہ حاضری حجاز سہارنپور سے روانہ ہوئے اور آٹھ صفر ۸۹ھ یوم شنبہ مطابق چھبیس ۲۶ اپریل کو نو بجکر بیس ۲۰ منٹ پر دہلی ہوائی اڈہ سے چلکر دس بجکر پچپن منٹ پر بمبئی پہنچے، قیام حاجی دوست محمد صاحب کی کالونی میں ہوا۔ انتیس ۲۹ اپریل سہ شنبہ کو بمبئی سے چلکر ظہر کی نماز کراچی کے ہوائی اڈہ پر پڑھی اور روانہ ہوکر مغرب سے قبل جدہ پہونچے، مطار کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھکر حدیبیہ میں عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وہاں سے مکہ کیلئے روانہ ہوئے، وہاں پہونچکر کھانا کھایا، عمرہ کیا، اور صولتیہ میں قیام رہا۔ پندرہ ۱۵ مئی کو مدینہ سے روانہ ہوکر پھر مکہ آئے اور پندرہ دن یہاں قیام کرکے چوبیس ۲۴ نومبر کو واپس مدینہ منورہ گئے، یہاں کے ہونیوالے تبلیغی اجتماعات میں بھی مسلسل شرکت ہوئی، سات شوال مطابق پندرہ دسمبر کو مدینہ منورہ سے عازم مکہ مکرمہ ہوئے اور اکیس ۲۱ دسمبر یکشنبہ کو بعد عصر مکہ سے جدہ کیلئے روانہ ہوئے، مغرب کیوقت جدہ پہنچے، بائیس ۲۲ دسمبر کی صبح کو سعودی ہوائی جہاز سے دو۲ بجے دوپہر کو کراچی پہونچے، ہوائی اڈہ کی مسجد میں نماز ظہر ادا کرکے مکی مسجد پہنچے، یہاں کے قیام کے دوران لاہور رائیونڈ لائل پور سرگودھا جیسے اہم مقامات پر تشریف لیگئے، انیس ۱۹ جنوری دوشنبہ کو گیارہ بجے کراچی کے ہوائی اڈہ سے روانہ ہوکر پون بجے پالم کے ہوائی اڈہ پر

پہنچے۔ بائیس ۲۲ جنوری مطابق تیرہ ذیقعدہ جمعرات کو نظام الدین سے چلکر میرٹھ اور دیوبند ہوتے ہوئے بڑی راحت وعافیت کیساتھ چار بجے شام کو سہارنپور تشریف لے آئے۔ یہ مختصر سی روئداد جملہ حجوں کی لکھدی گئی، اب جبکہ یہ سطور زیر تحریر ہیں حضرت شیخ دام مجدہ العالی ساتویں سفر حج کیلئے تیار ہیں اور ان سطور کی نوشت کے ٹھیک دو روز بعد سفر حجاز کیلئے روانہ ہوجائیں گے، قسمت نے اگر یاوری کی اور حالات مساعد رہے تو انشاء اللہ اس سفر کے حالات پھر قلمبند ہوجائیں گے،، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔"

فرمودات وارشادات

(۱) فرمایا ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جو ہماری انتہاء کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتداء کو دیکھے وہ کامیاب، اسلئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گذرتی ہے اور آخر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہوجائے گا۔

(۲) فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود جن کو دروازوں سے دھکایا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے، آدمی ریاضت ومجاہدہ سے یہ مقام حاصل کرسکتا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے لایزال عبادی یتقرب الیّ بالنوافل، یعنی آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہانتک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اسکے بعد آگے کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکے بعد ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے اسکے بعد ارشاد فرمایا، اللہ جل شانہ کا راستہ بہت آسان ہے تجربہ بھی ہے اور لوگونکو

دیکھا بھی ہے۔

بعلم اللہ راہ خدا بیش از دو قدم نیست یک قدم بر نفس خود نہ دگرے بر کوئے دوست

(۳) فرمایا۔ بھائی دیکھو جو کچھ کرو اللہ کی مرضی کے موافق کرو۔ اپنے جی و مرضی کے موافق نہ کرو۔ پچھ کرلو۔ رمضان المبارک میں اسکی مشق کرلو۔ ہمارے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دوکان نہ کرو،

(۴) فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کے بدن میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں۔ جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی صحت وسلامتی کے بدلہ اسکے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے، اس حدیث میں آگے یہ مضمون ہے کہ "آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے یہ بھی صدقہ ہے" اس روایۃ میں ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے اسمیں صدقہ ہے؟ صحابہ کرام کو اللہ جل شانہ، بہت ہی درجات عالیہ اپنی اور ان کی شایان شان عطا فرمائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا ذرا سی بات دریافت کر کے امت کیلئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے، حضور نے صحابہ کرام کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل یعنی حرام کاری میں خرچ کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا۔

(۵) فرمایا، میرا تجربہ ہے کہ روزہ سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔

(۶) فرمایا، میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ تو ساری چیزیں تمھارے

سامنے جھک جائیں گی. صحابہ کرام کے قصے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے حضرت عقبہ امیر لشکر چند صحابہ کو ساتھ لیکر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا ایہا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ "

اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو، اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ اسلئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اسکے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دینگے۔۔ یہ اعلان تھا کوئی بجلی تھی جوان درندوں اور موذی جانوروں کو ڈراگئی اور اپنے بچوں کو اٹھا کر سب چلدیئے۔" (اشاعت)

بوستاں میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے، ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا تو اس بزرگ نے کہا۔ ؎

کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ	توہم گردن از حکم داور مپیچ

(۷) فرمایا۔ میرے حضرت اقدس سہارنپوری کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یعنی اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو تو ان کا احصا نہیں کر سکتے۔ یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا۔ کیونکہ ایک نعمت میں بھی بیشمار نعمتیں ہیں۔

(۸) فرمایا جو کرو اللہ کو راضی کرنیکے لیئے کرو، اگر کوئی نماز دکھانے کیلیئے پڑھیگا کہ لوگ بزرگ سمجھیں تو یہی نماز منہ پر ماردی جائیگی۔" ؎

تو مرا خراب کردی بسجدہ ریائی	بزمیں چوں سجدہ کردم زِ زمیں ندا بر آمد

کر ہی سجدہ اللہ کی رضا کیلئے ہو تو بہترین عبادت ہے۔

(۹) فرمایا، حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ آخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، میرے والد صاحب حضرت گنگوہی کے خاص خادم تھے (ایک مرتبہ حضرت امام ربانی نے) والد صاحب سے دریافت کیا مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہیں؟۔ حضرت امام ربانی کو جب کوئی اہم بات فرمانا ہوتی تو یہ سوال کیا کرتے تھے۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ میں ہوں اور الیاس، اسکے بعد حضرت امام ربانی نے نہایت جوش کے ساتھ فرمایا کہ اللہ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کیئے بغیر نہیں رہتا۔ یہی میری بھی رائے ہے، کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے۔ اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر تک دہل جاتا ہے۔ مگر ذاکرین شروع میں اہتمام کرتے ہیں، ابتدا میں اچھے اچھے حالات پیش آتے ہیں۔ یہ بہت نازک مرحلہ ہے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ جب قلب ذکر سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ حالات کم ہو جاتے ہیں۔ اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے"

(۱۰) فرمایا، غیروں کے لباس وضع قطع سے احتراز کرنا چاہیئے میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے مسلمان، ہندو، عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیخت کیلئے طویل لباس کو کوئی خاص تعلق ہے۔ البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہیئے۔ میں دس، پندرہ سال پہلے جب تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا تو میرا فتویٰ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے۔

(۱۱) فرمایا۔ جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ سینما (دیکھنے) والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہکر صبح کر دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ رات بھر تہجد پڑھتے تھے۔ تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں، اصل ذوق و شوق ہی۔

(۱۲) فرمایا۔ تم لوگ اللہ اللہ کرتے رہو، مگر یہاں سے جانے کے بعد اکثر لوگ شکایت لکھتے رہتے ہیں کہ وہاں سے آنے کے بعد اب وہ اثرات نہیں رہے۔ لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو تو وہ اثرات باقی رہیں گے۔ یہاں پر ماحول کا اثر ہے، معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے۔

(۱۳) فرمایا۔ جو کچھ آخرت کے بینک میں جمع کرتا ہے جمع کر دو، بدنظری، بدکرداری ہر طرح کی معاصی میں علماء اور مشائخ مبتلا ہیں۔ غیبت کو تو ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں، اعتدال کا چوتھا باب قابل مطالعہ ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

(۱۴) فرمایا۔ یہ تبلیغی کام دینداری پیدا کرنے کے لئے ہے۔

کچھ کتاب کے متعلق ملاحظہ کیجئے

زیر نظر کتاب کی ترتیب و تکمیل کے موقعہ پر اپنے اکابر کے حالات سپرد قلم کرتے ہوئے دو عنوانوں کا خاص اہتمام رہا۔ ایک ان کے متفرق واقعات لکھنا، دوسرے ان کے ملفوظات و ارشادات مختلف

کتب سے جمع کرنا، حضرت شیخ دام مجدہ العالی کے فرمودات و ملفوظات ان کے مجموعہ ملفوظات صحبتے با اولیاء سے نقل کیے گئے ہیں۔ اور ان ملفوظات کا انتخاب کیا ہے جو اس کتاب کے موضوع کے مناسب ہیں۔ اب متفرق واقعات کے سلسلہ میں اتنا عرض کرنا ہے کہ اب سے چند ماہ قبل ادارہ اشاعت العلوم نے بڑے اہتمام سے ایک کتابچہ (مطبوعہ پاکستان) "حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کے چند سبق آموز واقعات" نامی طبع کرایا تھا جو وابستگان شیخ کے طویل وعریض حلقہ میں بہت مقبول ہوا۔ اب اسی کو موقعہ اور مضمون کی مناسبت سے "تاریخ مشائخ چشت" کے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

بندہ محمد شاھد غفرلہ سہارنپوری

نزیل مرکز تبلیغ، بستی حضرت نظام الدین دہلی

۲۲ ربیع الاول ۹۳ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۷۳ء

مآخذ و مصادر

زیر نظر کتاب کی تکمیل کیلئے یہ کتب پیش نظر رہیں

- اصابہ فی تمییز الصحابہ، انوار العاشقین، القول الجلیل، السنۃ الجلیۃ فی الجشتیۃ العلیۃ، ارواح ثلاثہ، افادات یومیہ، ارشاد الملوک، آپ بیتی حضرت شیخ،،
- بخاری شریف، بیس بڑے مسلمان،،
- تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، تاریخ اسلام (عاشقی) تفسیر عزیزی، تاریخ الخلفاء، تاریخ ابن عساکر، تاریخ ابن سعد، تنبیہ المغترین تعلیم الدین، تذکرۃ المعین،،
- حکایات صحابہ، حیات امداد، حق السماع،،
- خزینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیا،
- روضۃ الریاحین،
- سیرت خلفاء راشدین، سیر الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، سوانح یوسفی،،
- شمائم امدادیہ، شمائل ترمذی،،
- صبح الاعشی، صحائف معرفت، صحبتے با اولیاء،،
- طبرانی، طبقات شعرانی،،
- فضائل صدقات،

- قصص الاولیاء۔
- کرامات امدادیہ، کمالات امدادیہ "
- لامع الدراری "
- ملفوظات خواجگان چشت "
- نزہتہ البساتین، نفحات الانس "

حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی جدید اور

اہم تالیفات

مکتوبات علمیہ

جامع و مرتب:۔ مولوی محمد شاہد سہارنپوری، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم۔

دنیائے حدیث کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، ان کا قلم ہمیشہ خدمت دین کیلئے
واں دواں رہا ہے۔ ان کے ذریعہ سے احادیث کی بیش بہا خدمات، لازوال تعلیقات وجو
یں آئیں ہیں۔ (اوجز المسالک (چھ جلدیں) لامع الدراری (تین جلدیں) حاشیہ کوکب
راری (دو جلدیں) اسکے علاوہ اور بہت سی کتب حدیث ہماری اس تحریر پر زندہ ثبوت ہیں
ضرت اقدس کے علمی خطوط کا بیش بہا خزانہ بجائے خود علم حدیث کی ایک مستقل خدمت ہے اور
کر کا مقام ہے کہ یہ خطوط "مکتوبات علمیہ" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں، جن میں
حاح ستہ کے متعلق بہتر ۷۲ سوالات جمع کئے گئے ہیں اور حضرت شیخ نے بڑی تحقیق وجانفشانی
بعد محدثانہ حیثیت سے انکے جوابات تحریر کئے ہیں، اسکے علاوہ اٹھاون ۵۸ خطوط متفرق مضامین
متفرق نوع کے اشکالات پر مشتمل ہیں، اسطرح سے یہ جلد اول ۱۳۰ مکاتیب پر مشتمل ہو گئی۔ قیمت ۶/

تقریر بخاری اردو

حضرت اقدس الحاج مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم
درس بخاری کی تقاریر کا وہ دلآویز مجموعہ ہے جو متفق
کے درسی افادات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات احادیث
کے درمیان تطبیق وجمع کو سہل اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
انشاء اللہ العزیز قارئین اس سے وہی لطف حاصل کر پائیں گے جو ایک محد
وقت کی مجلس حدیث میں بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے" قیمت جلد اول ‎-/۶ جلد دوم

تاریخ مظاہر

(جامع ومرتب مولوی محمد شاہد سہارنپوری) تالیف، حضرت اقدس
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم"
عالم اسلام کی عظیم دینی اور مثالی درسگاہ جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے پچاس
سالہ حالات، اس کی دینی علمی، اور عرفانی خدمات کا جائزہ اور اس کے ارتقائی منازل
اور تدریجی نشوونما کا دل آویز تذکرہ۔ قیمت پانچ روپے پچاس پیسے۔ ‎۵/۵۰

مکتوبات تصوف

یعنی محدث جلیل، عارف کبیر، حضرت اقدس مولانا محمد زکریا
کے ان گرانقدر مکاتیب کا مجموعہ جن میں سلوک واحسان کی
راستہ، اخلاص نفس، ذکر کی تلقین واہتمام، دنیا کی زیاں کاری اور آخرت کی نفع
کو دل نشیں اور موثر انداز میں قرآن حکیم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی
میں پیش کیا گیا ہے" جامع ومرتب، مولوی محمد شاہد سہارنپوری" قیمت

(ملنے کا پتہ)

کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

(محبوب پریس دیوبند)